اسلام کو تباہ کرنے کی امریکی مہم

حزب التحریر

6 ذیقعد، 1416 ہجری

25 مارچ، 1996ء

اردو ترجمہ

امریکی مہم کے چار نعرے

جمہوریت

تکثیریت

انسانی حقوق

آزاد تجارت

فہرست

پیش لفظ .... (1)

امریکی مہم کے ستون .... (12)

جمہوریت .... (16)

تکثیریت .... (19)

انسانی حقوق .... (21)

مذہبی آزادی .... (24)

آزادیِ رائے .... (26)

ملکیت کی آزادی .... (29)

شخصی آزادی .... (30)

آزاد منڈیوں کی پالیسیاں .... (35)

خلاصہ .... (39)

پیش لفظ

نوے کی دہائی کے آغاز میں سویت یونین کا ٹوٹنا محض ایک ریاست کے بکھر جانے کا عمل نہ تھا۔ بلکہ یہ ایک نظریے کی ناکامی تھی اور بین الاقوامی اور عالمی سطح پر اس کا اختتام تھا۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد امریکہ کی قیادت میں مغربی اتحاد اور سویت یونین کی رہنمائی میں مشرقی اتحاد کے مابین سَرد جنگ کی شکل میں جو تصادم شروع ہوا، وہ محض دو گرہوں کے درمیان ایک بین الاقوامی تصادم ہی نہ تھا بلکہ یہ دو آئیڈیالوجیز (Ideologies) یعنی سرمایہ داریت (Capitalism) اور سوشلزم (Socialism)، کے مابین ایک نظریاتی کشمکش بھی تھی۔ اس لڑائی کا اکھاڑا صرف یورپ تک محدود نہیں تھا بلکہ یہ ساری دنیا میں پھیلا ہوا تھا اور اس کا اختتام سویت یونین کے خاتمے اور اس کے بہت سی ریاستوں میں بٹ جانے پر ہوا۔ مارکسی-اشتراکی نظریہ اِن ریاستوں اور ان ریاست کے لوگوں کے لئے ایک نظام اور ضابطۂ حیات کے طور پر ناکام ہوگیا اور مارکسزم-سوشلزم بین الاقوامی سطح پر اور عالمگیری طور پر ناپید ہوگیا۔

یہ ایک قدرتی بات تھی کہ امریکہ اور اُس کے مغربی اتحادیوں نے مجموعی طور پر سویت یونین کے بکھرنے اور سوشلزم کے زوال کے متعلق یہ تصور کیا کہ یہ سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کی ایک نظام اور ضابطۂ حیات کے طور پر فتح ہے۔ یہ بھی قدرتی بات تھی کہ سرمایہ داریت کے پیروکاروں نے اِس فتح کی اِس حد تک بڑھا چڑھا کر تصویر کشی کی کہ جاپانی فلاسفر فوکی یاما (Fukiyama) نے اِسے ''تاریخ کا اِختتام'' قرار دے دیا۔

کوئی بھی آئیڈیالوجی اُسے قبول کرنے والی ریاستوں کے زوال سے اختتام پذیر نہیں

ہوجاتی، خواہ وہ زوال اُن ریاستوں کے بکھر جانے اور مختلف حصوں میں بٹ جانے کا سبب ہی کیوں نہ بن جائے، بلکہ اِن آئیڈیالوجیز کا خاتمہ اُس وقت ہوتا ہے جب اِن آئیڈیالوجیز کی حامل اقوام اور لوگ انہیں رَد کر دیں اور دوسری آئیڈیالوجیز کو قبول کر کے اپنی زندگیاں اُن کے مطابق ڈھالنا شروع کر دیں۔ مارکس ازم۔سوشلزم کا یہی حال ہوا۔ مشرقی بلاک میں شامل تمام اقوام اور لوگوں نے اسے ترک کر کے سرمایہ داریت کا رُخ کیا اور اپنی زندگیاں اس کی بنیاد پر اُستوار کرنا شروع کر دیں۔

اس سے قبل عثمانی ریاست کا 1924ء میں خاتمہ ہو چکا تھا، لیکن اِسلام اپنی ریاست کے خاتمے کہ باوجود عالمی طور پر ایک آئیڈیالوجی کے طور پر موجود رہا، کیونکہ اِسلامی اُمّت نے اسلام کی آئیڈیالوجی کو بدستور اپنائے رکھا، جو مختلف رنگ ونسل کے لوگوں کو سموئے ہوئے ہے، اس امر کے باوجود کہ اسلام کو ان کی عملی زندگیوں نیز عالمی دائرہ اثر سے نکالا جا چکا تھا۔ ایک آئیڈیالوجی تب تک دنیا میں زندہ رہتی ہے جب تک اسے قبول کرنے کیلئے ایک قوم موجود ہو، خواہ وہ قوم ایسی وجوہات کی بنا پر اس آئیڈیالوجی میں موجود نظاموں کو نافذ نہ کر سکتی ہو جو اس کی خواہش و ارادے سے ماوراء ہوں، لیکن وہ آئیڈیالوجی اُس وقت عالمی طور پر ناپید ہو جاتی ہے جب اسے آگے منتقل کرنے اور عالمی پالیسیوں کو اِس کی بنیاد پر طے کرنے کے لئے کوئی ریاست موجود نہ ہو۔ چنانچہ اسلامی آئیڈیالوجی دنیا میں اُس وقت سے موجود ہے، جب رسول اللہ ﷺ کی مدینہ ہجرت کے بعد اس کی بنیاد پر وہاں ایک اسلامی اُمّت تشکیل دی گئی تھی، اور پہلی اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا تھا۔ یہ آئیڈیالوجی اُس دِن سے لے کر بیسویں صدی کے ربع الاول میں عثمانی ریاست کی انہدام تک عالمی طور پر موجود رہی۔

جہاں تک سوشلزم کی بات ہے تو دنیا میں اس کا آغاز اُنیسویں صدی کے آخری حصے میں ہوا، جب یورپ کے لوگوں میں اِس کے متعلق ایک رائے عامہ قائم ہونا شروع ہوگئی۔ 1917ء میں جب روس اور اس کے اردگرد کے ممالک میں ایک ریاست کا قیام عمل میں آیا، جنہیں بعد میں سوویت یونین کا نام دیا گیا، تو اُس وقت تک سوشلزم عالمی طور پر پھیل چکا تھا۔ سوشلزم

صرف 1991ء تک عالمی طور پر موجود رہا، جب سوویت یونین یکا یک ٹوٹ گیا اور اس کی عوام نے سوشلزم کو ترک کر دیا اور نتیجتاً مارکس ازم-سوشلزم دُنیا میں اور عالمی اسٹیج پر ختم ہوگیا۔ سوشلزم کے زوال کے بعد عالمی اکھاڑے میں سرمایہ داریت تن تنہا غالب ہوگئی، کیونکہ دُنیا میں کوئی اور ایسی ریاست موجود نہیں تھی جو کسی دوسری آئیڈیالوجی کو لے کر چل رہی ہو، کہ جس کی بناء پر عالمی پالیسیاں ترتیب دی جاسکتی ہوں۔

پس عالمی سطح پر دو ہی آئیڈیالوجیز باقی رہ گئیں، اسلام اور سرمایہ داریت۔ چونکہ سرمایہ داریت پوری دُنیا پر حاوی تھی، اس لئے ایک نئے ورلڈ آڈر نے جنم لیا۔ پس نیو ورلڈ آڈر کی اصطلاح اِس تناظر میں صحیح ہے۔ چنانچہ ایک نئے ورلڈ آڈر کے ظہور کا اعلان کرنا امریکی صدر جارج بُش کیلئے ایک فطری عمل تھا، کیونکہ امریکہ ہی سپر پاور تھی، وہ سرمایہ دارانہ ریاستوں کی قیادت کر رہی تھی اور سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کو پھیلانے کی کوششوں کی علمبردار تھی۔

امریکہ نے اُسی وقت سے سرمایہ دارانہ نظام کو پھیلانا شروع کر دیا تھا جب سے وہ ایک استعماری ریاست کے طور پر دُنیا میں نمودار ہوا تھا، کیونکہ استعماریت ہی، خواہ وہ اپنی پرانی شکل میں ہو یا نئے روپ میں، اس آئیڈیالوجی کو پھیلانے کا طریقۂ کار ہے۔ لیکن جو بات کچھ عرصے سے دیکھنے میں آرہی ہے، وہ یہ ہے کہ عالمی سطح پر اپنے نظریے کے پھیلاؤ کے بعد امریکہ نے اسے پوری دنیا پر غالب کرنے کی جدوجہد شروع کر دی ہے۔ جس طریقے سے اُس نے دوسری سرمایہ دارانہ ریاستوں کی مدد سے سرمایہ داریت کو عالمی تعلقات اور رسم ورواج کی بنیاد بنایا، اسی طریقے سے وہ اِس آئیڈیالوجی کو دنیا کی تمام قوموں اور لوگوں کیلئے طرزِ زندگی بنانا چاہتا ہے۔ اس منصوبے کے تحت لوگوں کو نہ صرف سرمایہ داریت کو نظاموں اور قوانین کی شکل میں نافذ کرنا ہوگا بلکہ اس کے نفاذ پر مطمئن ہونے سے بڑھ کر اس کے عقائد، اس کے افکار، اس کے تصورات، اس کے پیمانوں اور اعتقادات کو زندگی کے ہر حلقۂ اثر میں اپنانا ہوگا۔

امریکہ نے سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کو عالمی تعلقات، روایات اور قوانین کی بنیاد بنانے کی جدوجہد تب سے ہی شروع کر دی تھی جب اقوامِ متحدہ کا قیام عمل میں آیا تھا، جب اس نے

سرمایہ دارانہ روایات کو اِس عالمی تنظیم کے معاہدے کی بنیاد بنایا۔ لیکن حقیقت میں امریکہ تب تک اپنے مقاصد کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتا تھا جب تک سوویت یونین سوشلزم کی بنیاد پر مشرقی بلاک کی رہنمائی کررہا تھا اور اپنی آئیڈیالوجی کی موجودگی کو عالمی سطح پر اور پوری دنیا پر نمایاں کررہا تھا۔ چنانچہ لوگوں اور اقوام پر استعماری مغربی ریاستوں کے ظلم وستم، ناانصافی اور لالچ کے نتیجے میں جنم لینے والی مصیبتوں اور غلامی کو اُچھال کر ماسکو استعماریت کے عالمی سطح پر مکمل تسلط کو روکنے میں کامیابی حاصل کررہا تھا۔ ماسکو نے پوری دنیا میں ایک پُرجوش جدوجہد شروع کررکھی تھی، جس کا مقصد استعماریت کو سرمایہ داریت کے مترادف پیش کرکے استعماریت کی اصل بھیانک شکل کو سامنے لانا اور یہ دلائل پیش کرنا تھا کہ استعماریت سے آزادی حاصل کرنے کا واحد راستہ سوشلِسٹ انقلاب ہے۔ یہ جدوجہد اس حد تک کامیاب ہوئی کہ بہت سے لوگوں کا جھکاؤ سوشلزم کی طرف شروع ہوگیا۔ وہ ریاستیں جنہوں نے آزادی حاصل کرلی اور خود کو استعماریت کی پرانی شکل سے نجات دِلا لی، انہوں نے سوشلزم کے نعرے بلند کرنا شروع کردیے۔

پس امریکہ کو یہ احساس ہوا کہ استعماریت کا پرانا چہرہ مغربی عالمی طاقتوں اور سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کیلئے ایک خطرہ بن جائے گا۔ چنانچہ اُس نے مکاری کے ساتھ سوشلزم کی طرف لوگوں اور قوموں کی توقعات کو کم کرنے کی کوشش کی اور ننگی یورپی استعماریت سے نجات دلوانے کیلئے خود ہی ان لوگوں اور قوموں کی مدد کرنا شروع کردی۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے اِن خود مختار ریاستوں کو ایک نئی خبیث استعماریت کے ذریعے محدود کرنا شروع کردیا، جو کہ ایک بالواسطہ معاشی، سیاسی اور تہذیبی غلبے پر مشتمل تھی اور جسے عسکری معاہدوں، اتحادات، باہمی حفاظتی اقرارناموں، معاشی اور اقتصادی امداد اور تہذیبی پروگراموں کے ذریعے نافذ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ خودمختاری اور آزادی کے جھنڈے کی آڑ میں ایک نئی استعماریت نے پرانی استعماریت کی جگہ لے لی۔ تاہم سوویت یونین اور سوشلزم کے بکھرنے کے بعد عالمی اکھاڑا سرمایہ داریت کے لئے بالکل خالی ہوگیا اور سرمایہ داریت کے عالمی غلبے کے راستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی۔

اقوامِ متحدہ، جو کہ 1940ء کی دہائی سے محض ایک تقریروں کے فورم کے طور پر کام

کررہی تھی اور جس کے پاس، سوویت یونین کے ویٹو کے اختیار کی بدولت، کوئی اصل طاقت موجود نہیں تھی، اب عالمی اختیارات رکھنے والی ایک وسیع عالمی تنظیم بن گئی۔ اس کے ساتھ ہی وہ امریکہ کی برتری کو مزید مضبوط کرنے نیز سرمایہ دارانہ روایات کو مستحکم کرنے کیلئے ایک اہم آلۂ کار بن گئی۔

جہاں تک سرمایہ داریت کو دنیا کی تمام قوموں اور لوگوں کی آئیڈیالوجی بنانے کی امریکی مہم کا تعلق ہے، تو اسے اسلامی دنیا کے علاوہ کہیں اور مزاحمت کا سامنا نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی باقی اقوام اور لوگ یا تو پہلے ہی سرمایہ داریت کو قبول کر چکے ہیں، جیسا کہ امریکہ اور مغربی یورپ اور ان کے پیروکاروں مثلاً کینیڈا، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ، یا پھر وہ سرمایہ داریت کی بنیاد پر اپنی زندگیوں کو ڈھال رہی ہیں جیسا کہ روس اور وہ ریاستیں جو کہ کبھی مشرقی بلاک کا حصہ ہوا کرتی تھیں اور اب سوشلزم کو ترک کرچکی ہیں۔ اگرچہ چین، شمالی کوریا، ویت نام اور کیوبا جیسی ریاستیں ابھی بھی سوشلزم کے نعرے بلند کررہی ہیں، مگر حقیقت میں اب وہ اس پر یقین نہیں رکھتیں اور کسی سرکاری اعلان کے بغیر آہستہ آہستہ سرمایہ داریت کی طرف رجوع کررہی ہیں۔ لاطینی امریکہ، مشرقِ بعید، جنوب مشرقی ایشیا اور افریقہ کے چند قبیلوں اور ممالک کی اقوام اور لوگ، جن کی کبھی کوئی آئیڈیالوجی نہیں رہی، وہ سرمایہ داریت کو ایک نظریاتی حریف سمجھتے ہی نہیں ہیں۔ اسلامی امت غیر سرمایہ دارانہ اقوام میں سے وہ واحد قوم ہے کہ جس کے پاس ایک آئیڈیالوجی موجود ہے، جسے وہ قبول کرتی ہے، باوجود اِس حقیقت کے کہ اس وقت نہ تو وہ اس آئیڈیالوجی کے تحت زندگی بسر کررہی ہے اور نہ ہی اسے باقی دنیا تک پہنچا رہی ہے۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ نظام کو پوری دنیا پر اکیلے غالب کرنے کی امریکی مہم کو اسلامی دنیا کے علاوہ کہیں سے کسی حقیقی رکاوٹ کا سامنا نہیں ہے۔ اسلامی ممالک کی تمام موجودہ حکومتیں اسلام کو نافذ نہیں کرتیں، حالانکہ اِن میں سے چند یہ دعویٰ ضرور کرتی ہیں، حقیقت میں یہ سب محض سرمایہ داریت کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہی نافذ کررہی ہیں۔ یہ اسلامی اُمت ہی ہے، جو خلافت کی تباہی کے ساتھ ہی غائب نہیں ہوئی، جس نے 1950ء کی دہائی کے آغاز سے یہ محسوس کرنا شروع کردیا تھا کہ احیاء کا راستہ صرف اسلام کی بنیاد پر ہی ممکن ہے۔ باوجود اپنے اندر پائے جانے والی تقسیموں کے، جن کو خلافت کی تباہی سے قبل اور بعد میں کفار نے

پیدا کیا تھا، اور باوجود اس حقیقت کے کہ امتِ مسلمہ کے حکمران کفار کے ایجنٹ ہیں جو کہ کفر کے اس تسلط کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتے ہیں جسے مغرب نے مسلمانوں کی سرزمین پر قائم کیا ہے، اس اُمّت نے اپنی زندگیوں کو اسلامی بنیاد کے مطابق ڈھالنے کی کوششیں شروع کر دیں اور وہ اِسی کے ذریعے پوری دنیا کو بچانے کی راہ دیکھنے لگی۔ یہ حکمران مغربی مفادات کی حفاظت کرتے ہیں، اُس کے اثر ورسوخ کو مضبوط کرتے ہیں اور اپنی تمام اندرونی اور خارجی پالیسیوں میں مغربی ہدایات اور احکامات کے مطابق قدم اٹھاتے ہیں۔

اگرچہ اُمت کی نشاۃِ ثانیہ ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے اور کافی آہستہ رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے، جس کا سبب اِس کے لئے کام کرنے والوں پر ایجنٹ حکمرانوں کا ظلم وستم، اِن کی جانب سے پیدا کردہ دباؤ اور دہشت گردی کا ماحول اور وہ کفریہ منصوبے ہیں جو یہ ایجنٹ اپنے ہی لوگوں پر نافذ کرتے ہیں تاکہ وہ انہیں کفر کی غلامی میں جکڑے رکھیں۔ اس تمام کے باوجود کافر مغرب، امریکہ کی سربراہی میں، اُمّت کی نشاۃِ ثانیہ کے مکمل ہونے اور اُس کی ایک ایسی اُمت کے طور پر واپسی سے خوفزدہ ہے جو کہ تمام دوسرے لوگوں سے یکسر مختلف ہو اور جو ایک وجود کے طور پر رہتی ہو، یعنی کہ خلافت۔ یہ ایک ایسی ریاست ہوگی جو دوبارہ سے اپنے پیغام کو پوری دنیا تک پہنچانا شروع کریگی تاکہ دنیا کو اُس اذیت، انتشار اور بداخلاقی سے نجات دلائی جاسکے جس میں وہ سرمایہ داریت کے تسلط اور اس کی موقع پرست اور مادی قدروں کی بدولت ڈوب چکی ہے۔ یہ وہ قدریں ہیں جنھوں نے دُنیا کو ایک جنگل میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ جہاں پر انسانیت کے حاصل کردہ تمام سائنسی اور تکنیکی ثمرات کے باوجود کوئی تحفظ اور سکون موجود نہیں ہے۔

پس کافر مغرب کو ابھی بھی یہ یاد ہے کہ کس طرح اسلام نے عربوں کو جھگڑتے ہوئے قبیلوں، جو کہ تاریخ کے کسی کونے میں پڑے ہوئے تھے، سے بدل کر ایک مہذب اور منفرد اُمت میں تبدیل کر دیا تھا۔ یہ ایک ایسی تہذیب تھی جس نے پوری دنیا کو روشن کیا تھا اور ایسی اُمت تھی جو کچھ ہی عرصے میں پوری دنیا کی مالک بن گئی تھی، اور دس صدیوں تک مالک بنی رہی، جس نے ہر اُس جگہ پر عدل، تحفظ، اعلیٰ اقدار اور خوشحالی پھیلائی جہاں خلافت کا جھنڈا لہرایا گیا۔

چنانچہ مغرب کو یہ خوف ہے کہ اسلامی اُمّت دوبارہ اٹھ جائے گی اور نہ صرف اپنی سرزمین پر بلکہ پوری دنیا میں اُس کے مفادات اوراثر ورسوخ کو تباہ کردے گی۔ اگرچہ امریکی مہم کا پیمانہ پوری دنیا تک پھیلا ہوا ہے تاہم اس حقیقت کو جان لینے کے بعد امریکہ اور باقی مغرب کی اس مہم کا خاص نشانہ امتِ مسلمہ ہی ہے۔ اِس مہم کے چند اور محرّکات بھی ہیں، جیسا کہ سرمایہ دارانہ لالچ، امریکہ اور مغرب کی مسلم علاقوں کے وسائل کے بارے میں آرزو بھری خواہشات، اِن علاقوں کی جغرافیائی اور عسکری اہمیت اور یہ حقیقت کہ یہ علاقے مغرب کی مصنوعات کیلئے بہت بڑی منڈی کی حیثیت رکھتی ہیں اور اُس خام مال کا ایک منبع ہیں جو مغرب کے کارخانوں کیلئے نہایت ضروری ہے اور ان کے تیل کے وسیع ذخائر مغرب کی زندگی کیلئے ناگزیر ہیں۔ ان تمام محرکات کے باوجود اِس مہم کا سب سے بڑا سبب اِسلامی اُمّت کی جانب سے درپیش وہ امکانی خطرہ ہے جو مغرب کے مفادات، اُس کے عالمی اثر ورسوخ اَور اُس کے وجود کیلئے نقصان دِہ ہوسکتا ہے، جب اِسلامی اُمّت دوبارہ جاگ جائے گی اور پنپنا شروع کریگی اور اپنے پیغام کو پوری دنیا تک لے جانے کا آغاز کردے گی۔

امریکی مہم کے ستون

مسلمانوں کے خلاف اپنی مہم میں امریکہ بہت سے ستونوں پر انحصار کرتا ہے۔

پہلا ستون:

امریکہ کا عالمی سطح پر ایک وزن موجود ہے اور وہ اسلامی دنیا میں بھی اثر ورسوخ رکھتا ہے، خاص طور پر دوسری خلیجی جنگ کی پالیسی کے نتیجے میں اُس نے پورے اسلامی خطّے میں اپنے اثر ورسوخ کو مزید مستحکم کرلیا ہے۔ اس وزن اور اثر ورسوخ کی وجہ سے اسلامی دنیا کی موجودہ ریاستیں امریکی منصوبوں اور دباؤ کے آگے مزید جھک گئیں، جن کا مقصد مسلمانوں کو سرمایہ داریت کو قبول کرنے پر مجبور کر کے اسلام کو کچلنا تھا۔

دوسرا ستون:

حالانکہ امریکہ تمام سرمایہ دارانہ ریاستوں کا رہنما ہے، لیکن وہ اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ دوسری ریاستیں بھی اس مہم میں حصہ ڈالیں، وہ پوری اسلامی دنیا میں اس مہم کی کامیابی کو یقینی بنانے کیلئے اِن ریاستوں کے اثر ورسوخ اور ان کے ایجنٹوں کو استعمال کرتا ہے، خصوصاً اس لئے کہ اس معاملے میں یہ ریاستیں بھی امریکہ سے مختلف نہیں کیونکہ وہ بھی اسلام کو اپنی ذات، اپنے اثر ورسوخ اور اپنے مفادات کیلئے خطرہ سمجھتی ہیں۔

تیسرا ستون:

وہ عالمی قوانین اور ان کے آلہ کار جس کی نمائندگی اقوام متحدہ، اس کا منشور اور اس کی

ذیلی تنظیمیں اور ادارے کرتے ہیں، جن کو امریکہ اپنے منصوبوں کے نفاذ کیلئے استعمال کرتا ہے اور جن کو وہ عالمی قوانین کی آڑ میں تحفظ فراہم کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ تمام اقدام جن کی انجام دہی کو امریکہ ضروری سمجھتا ہے، خواہ وہ اقدام سیاسی ہوں یا معاشی، عسکری ہوں یا پھر کوئی اور۔

چوتھا ستون:

عالمی میڈیا، جس پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا غلبہ ہے اور جو کہ اس مہم میں اس کے سب سے مہلک ہتھیاروں میں سے ایک ہے، جسے وہ اپنے نعروں کو پھیلانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ میڈیا کے ذریعے اسلام کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے اور اس پر چلنے والوں کو بنیاد پرست، جنونی، انتہا پسند اور دہشت گرد کے طور پر پیش کر کے دنیا کو ان کے خلاف اُکسانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس ہتھیار کو معمولی نہیں سمجھنا چاہئے، خاص طور پر بیسویں صدی کے دوسرے حصے میں مواصلات میں آنے والے انقلاب کے بعد، جس نے پوری دنیا کو ایک چھوٹے سے گاؤں میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے، جہاں پڑھے، سنے اور دیکھے جانے والے میڈیا کو ہر گھر تک رسائی حاصل ہے۔

پانچواں ستون:

یہ ان ستونوں میں سے شاید سب سے بدصورت اور خطرناک ستون ہے۔ ایجنٹ حکمران اور ان کے گرد پائے جانے والے ملازمین، منافقین، موقع پرست لوگ اور وہ اشخاص جو کفر تہذیب کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں اور اس کے طرزِ زندگی سے بے حد متاثر ہیں۔ ان حکمرانوں کے گرد دائرے میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اسلام کیلئے فکرمند ہونے کا ڈرامہ کرتے ہیں، خواہ وہ حکومتی عالم ہوں یا وہ لوگ جنہیں اسلامی مفکروں کے طور پر چند ایسی اسلامی تحریکیں پیش کرتی ہیں جو حقیقت میں محض سیکولر ہیں، اور دین کی دنیاوی اُمور سے جدائی کے نعرے لگاتی ہیں۔

یہ تمام ستون مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کر کے سرمایہ داریت کی طرف دھکیل کر

امریکی مہم میں معاونت کرتے ہیں۔ اس عمل کے لئے ہر طرح کے حربے آزمائے جاتے ہیں، جن میں میڈیا کی طرف سے غلط اطلاعات کو پھیلایا جانا، اسلام کے تصورات اور احکامات کو بگاڑنا، کفر قوانین کو نافذ کرنا اور اِن کے نفاذ کیلئے ضروری قانون سازی کرنا شامل ہیں۔ یہ ستون اس مہم میں اس طرح سے بھی مدد ومعاون ہیں کہ اسلامی دنیا کی ریاستوں کو مختلف معاہدوں، صلح ناموں اور پابندیوں کے ذریعے محکوم بنادیا جاتا ہے تاکہ ان پر کفار کا اثر ورسوخ برقرار رکھا جاسکے اور یہ مسلم ریاستیں امت کے اندر سے اسلامی اقدار کو ختم کرنے کے کفار کے منصوبوں کو پورا کرنے میں اپنا کردار ادا کرتی رہیں۔ اس کے علاوہ امت کے مخلص باشعور بیٹوں کو چپ کروانے کیلئے ان پر حملے کئے جاتے ہیں، جس کے ذریعے لوگوں پر خوف اور غلبے کی فضا طاری کی جاتی ہے تاکہ کوئی بھی سچ بولنے کی جرأت نہ کرسکے۔ اس سب کا مقصد امت کو ذلیل ورسوا کرنا اور اسے کفر اور کفار کے آگے جھکنے پر مجبور کرنا ہے۔

یہی وہ اہم ترین ستون ہیں جن پر امریکہ مسلمانوں کے خلاف اپنی مہم کے لئے انحصار کرتا ہے، جس کا مقصد مسلمانوں کو سرمایہ داریت کو قبول کرنے پر مجبور کرکے اسلام کو دبانا ہے۔ اس مہم کا اظہار ان چار نعروں کے ذریعے کیا جاتا ہے، جو دراصل سرمایہ داریت کی روح ہیں: جمہوریت، تکثیریت (Pluralism)، انسانی حقوق اور آزاد تجارتی پالیسیاں۔

ان نعروں کی طرف متوجہ ہونے اور ان کو تفصیل سے غلط ثابت کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اُس بنیاد کے کفر ہونے کو واضح کردیا جائے کہ جس سے یہ نعرے پھوٹتے ہیں:

وہ بنیاد سرمایہ دارانہ عقیدہ ہے، جو دین کو دنیاوی امور سے الگ کرتا ہے۔ یہ عقیدہ نہ تو ایک فکری عمل کا نتیجہ ہے اور نہ ہی ایک منطقی عمل کا، بلکہ یہ دو متضاد خیالات کے مابین ایک سمجھوتہ ہے۔ پہلا تصور وہ تھا جس کی طرف قرونِ وسطیٰ میں چرچ کے لوگ بلایا کرتے تھے، یعنی دنیا میں ہر شے کو مذہب، یعنی عیسائیت، کی مکمل اطاعت کرنی چاہئے۔ دوسرا تصور وہ تھا جس کی چند مفکرین اور فلسفی دعوت دیا کرتے تھے، یعنی کسی خالق کی موجودگی کا انکار۔ پس دین کا دنیاوی امور سے

علیحدگی کا تصوران دونوں فریقین کے مابین ایک مفاہمتی حل (کمپرومائز) تھا۔ ایک مفاہمتی حل ایسی صورت میں تو قابلِ فہم ہوتا ہے جہاں دو ایسے مشابہ نقطۂ نظر ہوں جن کے مابین صرف تھوڑا ہی فرق ہو، لیکن دو متضاد موقف کے مابین کمپرومائز بنانا ایک ناقابلِ فہم امر ہے۔ یا تو ایک خالق موجود ہے جس نے انسان، کائنات اور حیات کو تخلیق کیا ہے اور اِس طرح یہ بحث یہ رُخ اختیار کرے گی کہ آیا اس خالق نے انہیں اس دنیا میں زندگی گزارنے کیلئے کوئی نظام تجویز کیا ہے کہ نہیں اور انسان کی موت کے بعد کوئی اس بات پر انسان کا احتساب کرے گا کہ آیا وہ اس نظام پر کاربند رہا کہ نہیں۔ اور دوسرا نقطۂ نظر یہ کہ کوئی خالق نہیں ہے، چنانچہ دین کو دنیاوی زندگی سے علیحدہ نہیں کیا جائے گا بلکہ دین کو مکمل طور پر مسترد کر دیا جائے گا۔

لیکن یہ کہنا کہ ایک خالق کا ہونا یا نہ ہونا کوئی اہم بات نہیں ہے، ایک ایسا معاملہ ہے جو نہ تو ذہن کو قائل کرتا ہے اور نہ ہی قلب کو اطمینان بخشتا ہے۔ چنانچہ محض یہ حقیقت ہی کہ سرمایہ دارانہ عقیدہ ایک ایسے معاملے میں سمجھوتے کا نتیجہ ہے کہ جس میں کسی ایسے سمجھوتے کی کوئی گنجائش نہیں، ازخود ان دونوں گروہوں کے لیے اس عقیدے کو غلط ثابت کرنے کیلئے کافی ہے، یعنی ایک وہ جو ایک خالق کی موجودگی پر یقین رکھتے ہیں اور دوسرے وہ جو اُس کی موجودگی کا انکار کرتے ہیں۔

قطعی عقلی دلیل اس نتیجے کی طرف لے جاتی ہے کہ ایک خالق کی ذات موجود ہے جس نے انسان، کائنات اور حیات کو تخلیق کیا ہے اور یہ کہ اس خالق نے ایک نظام مقرر کیا ہے جس پر انسان کو اپنی زندگی میں عمل کرنا ہے اور یہ خالق انسان کی موت کے بعد انسان سے اس نظام پر کاربند رہنے کے بارے میں احتساب کرے گا۔ تاہم اس وقت زیرِ بحث معاملہ نہ تو ایک خالق کے وجود پر گفتگو کرنا ہے اور نہ ہی اس نظام پر جو اس نے انسان کے لئے مقرر کیا ہے، بلکہ اس وقت ہمارا موضوع سرمایہ دارانہ عقیدہ اور اس کے جھوٹ کو بے نقاب کرنا ہے۔ اس حوالے سے صرف یہ حقیقت ہی جھوٹ کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہ عقیدہ دو متضاد آراء کے مابین محض ایک سمجھوتہ ہے اور اس کی عمارت عقل پر استوار نہیں ہے۔

سرمایہ دارانہ عقیدے کو غلط ثابت کرنا تمام سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کو باطل ثابت کرنے کیلئے کافی ہے کیونکہ جس چیز کی بنیاد جھوٹ پر رکھی گئی ہو وہ خود بھی جھوٹ ہی ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس آئیڈیالوجی کی بنیادوں پر تفصیلی بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن چونکہ ان میں سے چند تصورات پوری دنیا میں کافی پھیل چکے ہیں اور چند مسلمانوں میں بھی قبولیت حاصل کر چکے ہیں اور مسلمانوں اور اسلام پر شدید حملہ کرنے کی امریکی مہم کے نعرے یہی تصورات ہیں، اس لئے ان تصورات پر توجہ دینا اور اِن کے جھوٹ اور اسلام سے ان کو متضاد دکھانا نہایت ضروری ہے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کے لئے اِن تصورات کو اپنانا حرام ہے اور اُن پر فرض ہے کہ وہ انہیں مسترد کریں اور انہیں پھیلانے والوں کو چیلنج کریں۔

اس امریکی مہم کے چار نعرے جمہوریت، تکثیریت، انسانی حقوق اور آزاد تجارتی پالیسیاں ہیں:

(1) جمہوریت

جمہوریت سرمایہ دارانہ تصور کا سیاسی ڈھانچہ ہے، یعنی یہ وہ حکومتی نظام ہے جو سرمایہ دارانہ ریاستیں اور ان جیسی دیگر ریاستیں نافذ کرتی ہیں۔ وہ لوگ جو اسے اپناتے ہیں، ان کیلئے جمہوریت کا معنی یہ ہے کہ لوگ خود ہی اپنے اوپر حکمرانی کریں گے، ان نظاموں کے ذریعے کہ جنہیں وہ خود اپنے لیے اختیار کرلیں۔ اکثر اوقات سرمایہ دار (capitalists) اپنے نظام کو جمہوری نظام کہتے ہیں، لیکن اس تعبیر کے غلط ہونے کی ایک سے زیادہ وجوہات ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کے ماننے والوں کی ایجاد کردہ نہیں ہے، بلکہ اُن سے قبل اہلِ یونان اسے استعمال کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ، جمہوریت کو صرف سرمایہ داروں ہی نے نافذ نہیں کیا تھا بلکہ مارکس ازم اور سوشلزم کو ماننے والوں کا بھی یہی دعویٰ تھا کہ وہ جمہوری ہیں اور وہ مسلسل یہ ظاہر کرتے تھے کہ وہ جمہوریت ہی کو نافذ کرتے ہیں۔

جمہوریت کا سب سے اہم عنصر یہ ہے کہ وہ خالق کی بجائے انسان کو قانون ساز بنا دیتی ہے۔ جو کہ ان لوگوں کے لئے منطقی بات ہے جو دین کی دنیاوی امور سے علیحدگی کی دعوت دیتے ہیں کیونکہ اس علیحدگی کا مطلب قانون سازی کا اختیار خالق سے لے کر انسان کو منتقل کرنا ہے۔ سرمایہ داروں کیلئے اس معاملے پر کوئی بحث نہیں کی کہ آیا خالق نے انسان پر ایک خاص قانون پر عمل کرنے اور اسے اپنی زندگی پر نافذ کرنے کی پابندی عائد کی ہے یا نہیں، نہ ہی انہوں نے اس معاملے کا جائزہ لیا، بلکہ انہوں نے بغیر کوئی بحث کئے انسان کو قانون ساز مقرر کر دیا۔

مسلمانوں کے لئے جمہوریت کو اپنانے کا مطلب، ان تمام فیصلہ کن اور قطعی دلائل کا انکار کرنا ہے، جو ان پر فرض کرتی ہیں کہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قانون پر عمل کریں اور دیگر تمام قوانین کو مسترد کر دیں۔ ان دلائل میں بہت سی قرآنی آیات بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ یہ آیات ہر اس شخص کو کافر، ظالم یا فاسق قرار دیتی ہیں جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قوانین کی پیروی نہیں کرتا یا انہیں نافذ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴾

''اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے لوگ ہی کافر ہیں'' (المائدہ: 44)

﴿ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴾

''اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے لوگ ہی ظالم ہیں'' (المائدہ: 45)

﴿ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴾

''اور جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے لوگ ہی فاسق ہیں'' (المائدہ: 47)

چنانچہ وہ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کے ذریعے حکمرانی نہیں کرتا اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے قانون سازی کے اختیار کا بھی منکر ہے، جیسا کہ وہ لوگ کرتے ہیں جو جمہوریت پر

ایمان رکھتے ہیں، ایسا شخص قرآن کے واضح الفاظ کے مطابق ایک کافر ہے۔ کیونکہ وہ قرآن کی قطعی آیات کو مسترد کرر ہاہے اور مسلم فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ کسی بھی قطعی نص کا انکار انسان کو کافر بنادیتا ہے۔

کفاراور مسلمانوں پر حکمرانی کرنے والے ان کے ایجنٹ حکمران نیز مسلمانوں میں سے وہ تمام لوگ جو جمہوریت کی دعوت دیتے ہیں، خواہ وہ انفرادی لوگ ہوں یا کوئی تحریکیں، اس بات کو سمجھتے ہیں کہ جمہوریت کی بنیاد اللہ سبحانہ وتعالی کے قانون کو مسترد کرنا اور خالق کے مقام پر انسان کو فائز کرنا ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ جمہوریت کے اس پہلو کو پیش نہیں کرتے، بلکہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ جمہوریت کا مطلب تو یہ ہے کہ لوگوں خود ہی اپنے اوپر حکمرانی کریں، جہاں لوگوں کے مابین عدل اور برابری پائی جاتی ہو اور حکمران کا احتساب یقینی ہو۔ حالانکہ جمہوریت واضح طور پر اللہ سبحانہ وتعالی کے قوانین کو مسترد کرنے اور مخلوق کے قوانین پر عمل کرنے کی بات کرتی ہے، لیکن جمہوریت کے وکلاء جان بوجھ کر اللہ سبحانہ وتعالی کے قانون کو مسترد کرنے کے معاملے پر بحث سے گریز کرتے ہیں۔

جمہوریت کے باقی دعووں میں بھی کوئی اصل حقیقت نہیں ہے۔ یہ دعویٰ کہ لوگ خود اپنے اوپر حکمرانی کرتے ہیں، ایک بہت بڑا مغالطہ ہے۔ کسی بھی سرمایہ دارانہ جمہوری معاشرے میں لوگ اپنے اوپر حکمرانی نہیں کرتے، کیونکہ یہ ایک خیالی تصور ہے۔ حقیقت میں بااثر لوگوں کا ایک مخصوص ٹولہ لوگوں پر حکمرانی کرتا ہے، جیسا کہ امریکہ میں بڑے بڑے سرمایہ دار اور برطانیہ میں اشرافیہ (ارِسٹوکریٹس) ہیں، جبکہ یہ دو ایسے سرمایہ دارانہ ممالک ہیں جہاں جمہوریت کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ سرمایہ دارانہ ممالک میں ان بااثر ٹولیوں کے پاس وہ ضروری تدابیر موجود ہوتی ہیں جن کے ذریعے وہ جسے چاہیں حکومت اور قانون ساز اسمبلیوں میں لا سکتے ہیں، تاکہ پاس ہونے والے قوانین اور ان قوانین کے نفاذ کی ذمہ داری جن لوگوں پر ہو، وہ انہی کے مفادات کی رکھوالی کریں۔

جہاں تک برابری، عدل اور حکمرانوں کے احتساب کے دعووٴں کا تعلق ہے، تو یہ سب فرضی باتیں ہیں، جو حقیقت سے کوئی مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس کیلئے صرف امریکہ کی طرف دیکھنا ہی کافی ہے، جو کہ جمہوری دنیا کا سردار ہے، اور یہ نظر آ جائے گا کہ برابری، عدل اور احتساب سے وہی لوگ مستفید ہوتے ہیں جن کا ایک خاص رنگ، مذہب، نسل یا مالی رتبہ ہو۔ کالوں یا انڈینز، لاطینی اور ایشیائی نسل کے لوگ، وہ لوگ جو پروٹسٹنٹ نہیں ہیں اور وہ لوگ جو مغربی یورپی پس منظر سے تعلق نہیں رکھتے، ان لوگوں کو جن مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ چند مستثنیٰ معاملات کے علاوہ، جمہوریت کے بارے میں جو دعوے کئے جاتے ہیں وہ محض خیالی باتیں ہیں۔ نتیجتاً مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں کہ وہ جمہوریت کو قبول کریں کیونکہ یہ کفر ہے اور انسان کو اس اختیار کا حامل بنا دیتی ہے کہ جس پر خالصتاً خالق کا حق ہے۔ تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ اسے مسترد کریں اور اسے پھیلانے والوں کو چیلنج کریں۔

(2) تکثیریت (Pluralism)

جہاں تک تکثیریت کا تعلق ہے یہ سرمایہ داروں کی معاشرتی رائے کے نتیجے میں ان کے ذہن میں ابھری۔ سرمایہ داروں کے نزیک معاشرہ محض افراد کا مجموعہ ہوتا ہے،، اور ان افراد کے مختلف عقائد، آراء، دلچسپیاں، ضروریات اور پس منظر ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے وہ معاشرے میں مختلف گروہوں کا ہونا ناگزیر سمجھتے ہیں، جن میں سے ہر کسی کے اپنے اپنے اہداف ہوتے ہیں جن کی نمائندگی کسی پارٹی، تحریک یا تنظیم کے ذریعے ہونا ضروری ہے۔ ان سب کو پہچانا جانا چاہئے اور سیاست میں حصہ لینے کی اجازت ہونی چاہئے۔ چنانچہ وہ تکثیریت کو ایک پارٹی اور ایک جماعتی نظام کی ضد تصور کرتے ہیں۔ تاہم یہ تکثیریت سرمایہ دارانہ نظام کے فریم ورک کے اندر ہی ہوسکتی ہے۔ پس سرمایہ دارانہ معاشرے میں ایسی کسی جماعت یا پارٹی کی کوئی جگہ نہیں ہے جو سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی پر یقین نہ رکھتی ہو یا جو موجودہ سرمایہ دارانہ نظام کو کمزور کرنے کیلئے کام کرتی ہو۔

اگراس تناظر میں دیکھا جائے، یعنی مختلف پارٹیوں کا ایک ہی نظریے اور ایک ہی نظام کے ڈھانچے کے اندر رہنا یا اس پر مبنی ہونا، تو اِسلام میں اس کا اپنا ایک تنوع موجود ہے جو اس سے مختلف ہے کہ جس کا سرمایہ دار دعویٰ کرتے ہیں۔ اسلام ایسی مختلف پارٹیوں اور تحریکوں کی موجودگی کی اجازت دیتا ہے جن کا قیام اسلامی عقیدے پر مبنی ہو اور جو نظام کو کمزور کرنے کیلئے کام نا کرتی ہوں، جب تک ان کی آراء اسلامی ہوں، یعنی جو اسلامی عقیدے سے پھوٹتی ہوں یا اس کی بنیاد پر مبنی ہوں۔ تاہم اسلام میں مختلف پارٹیوں کی موجودگی کی اجازت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلام ایسی تکثیریت کی اجازت دیتا ہے جو اس سرمایہ دارانہ سمجھ پر مبنی ہو جس کی امریکہ اور مغرب دعوت دیتا ہے۔ سرمایہ دارانہ تکثیریت دین کی دنیاوی امور سے علیحدگی کے سرمایہ دارانہ عقیدے سے جنم لیتی ہے۔ چنانچہ سرمایہ دارانہ تکثیریت کے مطابق اس بات کی اجازت ہے کہ کسی کفریہ عقیدے یا تصور کی دعوت دینے کیلئے کوئی پارٹی یا تحریک قائم کر لی جائے، جیسا کہ دین کا دنیاوی امور سے علیحدگی کا عقیدہ، یا پھر کوئی جماعت ایسی بنیاد پر قائم کی جائے کہ جس سے اسلام منع کرتا ہے، جیسا کہ وطن پرست اور قوم پرست پارٹیاں۔ اسی طرح وہاں ایسی تحریکوں کے قیام کی بھی اجازت ہے جو ان چیزوں کی دعوت دیتی ہوں جن سے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، جیسا کہ جنسی بے راہ روی اور زنا کی طرف دعوت دینے والی تنظیمیں، ایسی جماعتیں جو جوئے کا دفاع کرتی ہوں، اسی طرح شراب نوشی، اسقاطِ حمل اور عورتوں کے جنسی شے کے طور پر کاروبار کی طرف دعوت دینے والی جماعتیں۔

چنانچہ ایک مسلمان نہ تو اس تکثیریت کو تسلیم کرسکتا ہے جسے امریکہ پھیلا رہا ہے اور نہ ہی اس غیر پابند تکثیریت کو قبول کرسکتا ہے کہ جس کا مطلب ہے ایسے مطالبات کی موجودگی کو تسلیم کرنا جو کفر پر مبنی ہیں یا جن سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے منع کیا ہے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو ہر اس شخص کیلئے نا قابلِ قبول ہے جو اللہ اور اُس کے نبی ﷺ پر یقین رکھتا ہے، کیونکہ وہ بغیر کسی شک کے جانتا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسا عمل کرنے پر آخرت کے دن اسے سزا دیں گے۔

(3) انسانی حقوق

ایک اور نعرہ جو امریکہ اور یورپ لگاتے ہیں اور بھرپور کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان اسے اپنالیں، وہ ''انسانی حقوق'' کا نعرہ ہے۔ کئی مسلمان اس نعرے سے بہت زیادہ متاثر نظر آتے ہیں کیونکہ مسلمانوں کو اپنے حکمرانوں کے ہاتھوں ظلم و جبر کا سامنا ہے۔ تاہم ان حقوق کی بنیاد انسانی فطرت، فرد کے معاشرے کے ساتھ تعلق، معاشرے کی حقیقت اور حکومتی کردار کے بارے میں سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی سے پھوٹنے والے تصورات ہیں۔ اس آئیڈیالوجی کے مطابق انسان فطرتاً برا نہیں بلکہ نیک ہے۔ اور جو برائی بھی اس سے سرزد ہوتی ہے، وہ اس کی خواہشات پر لگائی جانے والی پابندیوں کی وجہ سے ہے۔ اسی وجہ سے سرمایہ دار انسانی خواہشات کو بے لگام چھوڑ دینے کی بات کرتے ہیں۔ تاکہ انسان کو اپنی اچھی فطرت کے اظہار کا موقع مل سکے۔ اس نقطۂ نظر سے ہی آزادی کا تصور نکلتا ہے۔ اور یہ سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کا سب سے نمایاں تصور بن گیا ہے۔ سرمایہ دار یہ بھی کہتے ہیں کہ فرد اور معاشرا ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ پس فرد کو لوگوں سے بچانا اور اس کی آزادیوں کا تحفظ کرنا لازم ہے۔ یہ تصور جاگیردارانہ تصور کے برعکس ہے، جس میں معاشرے کے حقوق کو فرد کے حقوق پر ترجیح دی جاتی ہے۔ جبکہ سرمایہ داریت فرد کے حقوق کو معاشرے کے حقوق پر ترجیح دیتی ہے اور اس کے مطابق حکومت کا بنیادی کام فرد کے حقوق کی حفاظت کرنا اور اس کے مفادات کو محفوظ بنانا ہے۔

سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کے مطابق معاشرہ افراد کا مجموعہ ہے اور اگر ہر فرد کے حقوق (مفادات) کی حفاظت کی جائے تو معاشرے کے مفادات خود بخود محفوظ ہو جائیں گے۔ انسان اور اس کی فطرت، فرد اور معاشرے کے تعلق، معاشرے کی حقیقت اور حکومت کے کردار کے متعلق سرمایہ دارانہ تصورات سب کے سب غلط ہیں۔ انسان فطرتاً نہ ہی اچھا ہے جیسا کہ سرمایہ دار دعویٰ کرتے ہیں اور نہ ہی برا ہے، جیسا کہ چرچ پرانے فلسفہ کی بنیاد پر یہ دعویٰ کرتا تھا کہ انسان میں برائی آدم علیہ سلام کی طرف سے وراثتی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی کچھ جسمانی حاجات اور

جبلتیں ہیں اور انہیں پورا کرنا ضروری ہے۔ اللہ سبحانہ وتعالی کے عطا کردہ ذہن کی وجہ سے انسان یہ اختیار رکھتا ہے کہ وہ ان جسمانی حاجات اور جبلتوں کو کس طرح سے پورا کرے۔ اگر وہ ان کو صحیح طریقے سے پورا کرے گا تو اس نے اچھا عمل کیا اور اگر وہ برا طریقہ اختیار کرے گا تو وہ عملِ بد کا مرتکب ہوگا۔ پس انسان اچھے اور برے اعمال کرسکتا ہے اور یہ اس کے اپنے اختیار پر منحصر ہے کہ وہ اچھائی کو اختیار کرے یا برائی کو۔ یہ ہے انسانی فطرت کے متعلق اسلام کا نظریہ جسے اللہ سبحانہ تعالی یوں بیان فرماتا ہے:

﴿وَنَفۡسٍ وَمَا سَوّٰهَا ۝ فَأَلۡهَمَهَا فُجُوۡرَهَا وَتَقۡوٰهَا﴾

''اور انسان کی اور اس کی جس نے اس کے اعضاء کو برابر کیا۔ پھر اس کو بدکاری (سے بچنے) اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی'' (الشمس: 8-7)

﴿وَهَدَيۡنٰهُ النَّجۡدَيۡنِ﴾

''اور اس کو (خیر وشر کے) دونوں رستے بھی دکھا دیے'' (البلد: 10)

﴿إِنَّا هَدَيۡنٰهُ السَّبِيۡلَ إِمَّا شَاكِرًا وَّ إِمَّا كَفُوۡرًا﴾

''اور اسے رستہ بھی دکھا دیا، اب وہ خواہ شکر گزار ہو، خواہ ناشکرا بنے'' (الانسان: 10)

ایک اور بالکل غلط تصور یہ بھی ہے کہ فرد اور معاشرے کا تعلق غیر ہم آہنگ اور جھگڑوں کی بنیاد ہے۔ چاہے یہ تصور سرمایہ دارانہ ہو جس میں فردِ واحد کے مفادات کو معاشرے کے مفادات پر ترجیح دی جاتی ہے یا پھر جاگیردارانہ تصور ہو جو انفرادی مفادات کو معاشرتی مفادات کے مقابلے میں کوئی اہمیت نہیں دیتے یا پھر مارکسسٹ سوشلزم ہو جس میں فرد کی حیثیت معاشرے کے پہیئے میں لگی ہوئی تار سے زیادہ نہیں۔

اسلام ہی فرد اور معاشرے کے درمیان تعلق کو صحیح طور پر بیان کرتا ہے۔ اور اسے باہمی انحصار کا تعلق کا درجہ دیتا ہے نہ کہ ایک دوسرے کی ضد۔ فرد اور معاشرے کا تعلق ایسا ہی ہے

جیسا ہاتھ کا جسم کے ساتھ۔ جس میں دونوں ایک دوسرے کے لئے ناگزیر ہیں۔

اسلام نے نہ صرف فرد کے حقوق کو واضح کیا ہے بلکہ معاشرے کے بھی حقوق بیان کیے ہیں۔ یہ حقوق نہ تو غیر ہم آہنگ ہیں اور نہ ہی مخالف بلکہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ اسلام نے ہر ایک پر دوسرے شخص کے کچھ حقوق طے کئے ہیں اور ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان حقوق کی حفاظت کرے اور ہر کوئی اپنے حقوق حاصل کرے اور اپنے فرائض کو ادا کرے اور کوئی دوسرے شخص پر حاوی نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرد اور معاشرے کے درمیان تعلق کو مزید اس طرح سے واضح کیا ہے:

((مَثَلُ الْقَائِمِ عَلٰی حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا كَمَثَلِ قَوْمٍ اِسْتَهَمُّوْا عَلٰى سَفِيْنَةٍ فَاصَابَ بَعْضُهُمْ اَعْلاهَا وَ بَعْضُهُمْ اَسْفَلَهَا فَكَانَ الَّذِيْنَ فِيْ اَسْفَلِهَا اِذَاسْتَسْقَوْا مِنَ الْمَاءِ مَرُّوْا عَلٰى مَنْ فَوْقِهِمْ فَقَالُوْ: لَوْ أَنَّاخَرَقْنَا فِيْ نَصِيْبِنَا خَرْقًا وَ لَمْ نُوْذِ مَنْ فَوْقَنَا. فَإِنْ تَرَكُوْاهُمْ وَ مَا اَرَادُوْا هَلَكُوْا جَمِيْعًا. وَإِنْ أَخَذُوْا عَلٰى أَيْدِيْهِمْ نَجَوْا وَ نَجَوْا جَمِيْعًا))

''حدود اللہ کو قائم کرنے والے اور ان کی خلاف ورزی کرنے والوں کی مثال اس گروہ کی سی ہے، جس نے کشتی میں جگہ کے لیے قرعہ اندازی کی۔ پس اس میں سے کچھ افراد تو کشتی کے اوپر والے حصہ میں چلے جائیں اور کچھ نیچے رہ جائیں۔ سو جو لوگ نچلے حصے میں ہوں، جب وہ اپنی پیاس بجھانے کے لیے اوپر والوں کے پاس پانی لینے کے لیے جائیں اور ان (اوپر والوں) سے کہیں کہ اگر ہم نچلے حصے میں سوراخ کر لیں تو آپ بھی تکلیف سے بچ جائیں گے۔ اب اگر اوپر والے انہیں اس سے باز نہ رکھیں اور آزاد چھوڑ دیں، تو نیچے والے اور اوپر والے دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔ اور اگر وہ نیچے والوں کو روکیں گے تو دونوں نجات پائیں گے۔'' (بخاری)

مزید براں سرمایہ داریت یہ بھی کہتی ہے کہ معاشرہ افراد کے مجموعہ کے علاوہ کچھ نہیں اور یہ سراسر غلط تصور ہے۔ معاشرہ صرف افراد کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ افراد، ان میں پائے جانے والے

افکار و جذبات اور ان پر نافذ نظام کے مجموعے کا نام ہے۔ یعنی یہ افراد کا ایک ایسا گروہ ہوتا ہے جن کے آپس میں مستقل تعلقات ہوتے ہیں۔ کشتی یا ٹرین میں سوار افراد ایک معاشرہ نہیں بناتے، چاہے وہ ہزاروں کی تعداد میں ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن ایک چھوٹا سا گاؤں جس کی آبادی چاہے چند سو ہی کیوں نہ ہو ایک معاشرہ کہلائے گا۔ ان حقائق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کے معاشرے کی حقیقت کے متعلق، انسانی فطرت کے متعلق اور ان دونوں کے آپس میں تعلق کے متعلق تصورات باطل ہیں۔ حکومتی کردار کے متعلق تو ان کا تصور بالکل ہی غلط ہے۔ حکومت صرف فرد کے حقوق کی محافظ نہیں ہوتی بلکہ ایک ایسا وجود ہوتی ہے جو افراد اور معاشرے کے اندرونی اور خارجہ تمام معاملات کو ایک خاص نظام کے ذریعے منظّم کرتی ہے۔

سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کے انسانی فطرت کے متعلق، انسان کے معاشرے سے تعلق اور حکومت کے فرد کے حقوق کی حفاظت سے متعلق تصورات سے ایک اور چیز جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان چار آزادیوں کو بھی محفوظ بنایا جائے یعنی عقیدے کی آزادی، رائے کی آزادی، ملکیت کی آزادی اور انفرادی آزادی۔ یہ آزادیاں ہی ہیں جن سے انسانی حقوق نکلتے ہیں۔ اور یہ آزادیاں ہی سرمایہ دارانہ معاشروں میں تکلیف دہ صورتِ حال کی وجہ ہیں۔ ان آزادیوں کی وجہ سے ان کے معاشرے جنگل کا نقشہ پیش کرتے ہیں، جہاں طاقتور کمزور کو دباتا ہے اور اپنی جبلتوں اور حاجات کو کسی بھی طرح سے پورا کرنے کی وجہ سے انسان جانوروں سے بھی بدتر ہو گیا ہے۔ مغربی معاشروں میں لوگ کسی بھی طرح زیادہ سے زیادہ جسمانی لذتوں کو پورا کرنا چاہتے ہیں اور بس، یہی ان کا مقصد ہے۔ سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی تصور کرتی ہے کہ یہی خوشی و اطمینان کی انتہا ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ معاشرے اطمینان سے آگاہ ہی نہیں۔ بلکہ وہ تو مصیبتوں، انتشار اور پریشانیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

مذہبی آزادی:

سرمایہ داروں کے مطابق، مذہبی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو یہ حق حاصل ہے

کہ وہ چاہے تو کسی بھی آئیڈیالوجی، مذہب یا سوچ کو تسلیم کرے یا نہ کرے، علاوہ ازیں اسے یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنا مذہب بدل سکتا ہے یا اگر وہ چاہے تو کسی بھی مذہب پر یقین نہ رکھے۔ کفار کی مدح سرائی والوں میں سے چند ایسے لوگ جو کہ مسلمانوں میں گنے جاتے ہیں، یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کے ماننے والے جس مذہبی آزادی کی بات کرتے ہیں وہ اسلام سے متصادم نہیں ہے۔ وہ اپنے دعوے کو قرآن پاک کے ان الفاظ سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

﴿لاَ إِكْرَاهَ فِيْ الدِّيْنِ﴾

''دین میں کوئی جبر نہیں'' (البقرہ:256)

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾

''تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے'' (الکھف:29)

یہ لوگ جان بوجھ کر ان آیات کے نفسِ مضمون کو نظر انداز کرتے ہیں۔ ان دونوں آیات میں صرف غیر مسلموں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ مسلمان زبردستی کافروں کو اسلام میں یقین کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے اور کافر انفرادی طور پر اسلام کو قبول یا رد کر سکتے ہیں، چنانچہ مسلمان غیر مسلموں کو اسلام پر ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ ان قوائد کا اطلاق مسلمانوں پر نہیں ہوتا کیونکہ ان کے پاس اسلام کو قبول کرنے کے بعد اس پر یقین کو چھوڑنے اور اسے رد کرنے کا کوئی اختیار موجود نہیں ہوتا۔ ایسا مسلمان جو مرتد ہو جائے، اس کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اس سے توبہ طلب کی جائے۔ اگر وہ اپنی عدم یقینی پر اصرار کرے تو اس پر سزائے موت کا اطلاق ہوگا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من بدل دينه فقتلوه))

''جو دین بدل لے اسے قتل کر دو'' (بخاری)

چنانچہ مسلمانوں کے لیے کوئی مذہبی آزادی نہیں ہے کیونکہ ان کے لئے اسلامی عقیدہ کو قبول کرنا فرض ہے۔ اور ایک مسلمان کو کسی بھی دوسرے عقیدے کو اختیار کر لینے کی اجازت نہیں ہے، خواہ وہ ماضی کے آسمانی ادیان پر مبنی عقیدہ ہو جیسا کہ یہودیت اور عیسائیت، یا پھر سرمایہ داریت اور سوشلزم کی آئیڈیالوجی جیسے عقائد ہوں یا پھر کوئی اور دین ہو یا اسلام کے عقیدے کے علاوہ کوئی بھی تصور ہو۔ چنانچہ یہ صاف ظاہر ہے کہ سرمایہ دار جس مذہبی آزادی کی بات کرتے ہیں، اسے قبول کرنا ایک مسلمان کے لئے حرام ہے۔ اور اس پر فرض ہے کہ وہ اس بات کو رد کرے اور اس کے حق میں آواز بلند کرنے والے کسی بھی شخص کو چیلنج کرے۔

آزادیٔ رائے:

سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کے حامل لوگوں کے نزدیک آزادیٔ رائے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو کسی بھی معاملے یا مسئلے کے متعلق بغیر کسی پابندی کے اپنی رائے کے آزادانہ اظہار اور وکالت کا پورا حق حاصل ہے۔ چند مسلمانوں کو یہ آزادی بہت دِل کش لگتی ہے کیونکہ وہ ایسی ظالمانہ 'پولیس سٹیٹ' میں رہتے ہیں، جو ہر شخص کو اپنی رائے کے اظہار سے روکتی ہیں، اگر وہ رائے حکمران کی رائے سے مختلف ہو، اور خواہ وہ رائے اسلام پر مبنی ہی کیوں نہ ہو اور اس حد تک کہ وہ رائے قرآن کی ایک آیت یا ایک باوقار حدیث ہی کیوں نہ ہو۔ پس اگر وہ آیت یا حدیث حکمران کی آراء یا پالیسیوں کے خلاف ہو تو یہ حکمران اس کے اظہار سے روکتے ہیں۔ مثال کے طور پر مسلم دنیا کے ایک حکمران نے اپنے ظالم آلۂ کاروں کو حکم دیا کہ تمام مساجد اور عوامی جگہوں کی دیواروں پر سے آیات اور احادیث کو مٹا دیا جائے کیونکہ وہ یہودیوں کی اصلیت کو بیان کرتی تھیں، جیسا کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے یہ الفاظ ہیں:

﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ أَشْرَكُوْا﴾

''(اے پیغمبر ﷺ) آپ دیکھیں گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے لوگ یہودی اور مشرک ہیں'' (المائدہ :82)

تاہم ان حکمرانوں کے تمام تر ظلم و جبر، اور ان کی طرف سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حدود کی خلاف ورزی کے باوجود مسلمانوں کو ایسی کوئی بھی بات تسلیم کرنے کی اجازت نہیں جو اللہ سبحانہ تعالیٰ کو ناراض کرتی ہو۔

سرمایہ داروں کی نظر میں آزادیٔ رائے کا استعمال حکمرانوں کا احتساب کرنے یا سیاستدانوں اور دوسروں کے رویوں پر تنقید کرنے تک ہی محدود نہیں ہے۔ بلکہ آزادی رائے میں یہ آزادی بھی شامل ہے کہ کفر کا کھلم کھلا اعلان کیا جا سکتا ہے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے وجود کا انکار کیا جا سکتا ہے اور کسی بھی تصور کی طرف بلایا جا سکتا ہے خواہ وہ اسلامی عقیدے کے متضاد یا یا اس سے پھوٹنے والے احکامات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، مثال کے طور پر سود، جُوا، شراب، زنا اور جنسی بے راہ روی اور ارتداد جیسی چیزوں کی طرف بلانا اور انہیں عام کرنا، جنہیں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ممنوع کیا ہے، اور ایسے تصورات کو پھیلانا جو اُن اسلامی اقدار کو کمزور کرتے ہیں جنہیں مضبوطی سے پکڑے رکھنے اور جن کی حفاظت کرنے کا اللہ سبحانہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

آزادی رائے کا مطلب یہ ہے کہ منافقوں، ایجنٹوں، اللہ سبحانہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والوں اور اسلام کے دشمنوں کو یہ اجازت دے دی جائے کہ وہ کھلے عام اسلام کے خلاف باتیں کریں اور امت کے وجود کو تباہ کرتے ہوئے اسے ثقافتی گروہوں، علاقوں، فرقوں اور جماعتوں میں تقسیم کر دیں۔ یہ آزادی نسل پرستی پر مبنی قبائلیت کے تصور کا پرچار کرنے کی اجازت دیتی ہے، جسے اسلام نے رد کیا ہے اور جس کی طرف بلانے سے مسلمانوں کو منع کیا ہے اور جسے خود نبی ﷺ نے بدبودار قرار دیا ہے۔ آزادی رائے ان کفریہ تصورات کی دعوت دینے کی بھی اجازت دیتی ہے جو بدی، فساد اور عورتوں میں بدکاری کو فروغ دیتے ہیں اور عزت و عفت کی اعلیٰ اقدار کو کمزور کرتے ہیں۔ یہ جاننے کے لئے کہ یہ آزادی سرمایہ داروں کے لئے کس حد تک پہنچ چکی ہے، کسی شخص کیلئے یہ یاد کرنا ہی کافی ہے کہ کس طرح اِس آزادی نے مرتد سلمان رشدی کو نبی ﷺ اور اُمہات المؤمنین کے بارے میں وہ سب کچھ کہنے اور پھیلانے کی اجازت دی، جو وہ کہنا چاہتا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اسلام ایک مسلمان کو کسی بھی چیز کے بارے میں یا کسی بھی معاملے پر اپنی رائے کا اظہار کرنے کی

اجازت دیتا ہے، لیکن اسلام اسے صرف ان آراء تک محدود کرتا ہے جو اسلامی عقیدے سے اخذ کی گئی ہوں یا اس پر مبنی ہوں یا پھر ان حدود کے تحت ہوں جن کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ ایک مسلمان کو کسی بھی رائے کے اظہار کا حق حاصل ہے خواہ وہ خلیفہ کی رائے اور اس کے اختیارہ کردہ قوانین سے متضاد ہو اور خواہ وہ مسلمانوں کی اکثریت کی رائے کے برعکس ہو۔ تاہم واحد شرط یہ ہے کہ اس کی رائے شرع کی کسی دلیل پر مبنی ہونی چاہئے یا شرع کی حدود کے اندر ہونی چاہئے۔ اسلام ایک مسلمان پر ایسی صورتحال میں اپنی رائے کا اظہار کرنے اور حکمران کا احتساب کرنے کو فرض قرار دیتا ہے جہاں وہ حکمران اپنی کسی ایسی بات یا حکم کے ذریعے اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرے، جس سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ حکمرانوں کے سامنے ڈٹ جانے کے عمل کو اسلام نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی راہ میں جہاد کا درجہ دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((سید الشهداء حمزة بن عبد المطلب، ورجل قام إلى إمام جائر فأمره و نهاه فقتله))

''حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ شہداء کے سردار ہیں، اور وہ شخص بھی جو ظالم حکمران کے سامنے کھڑا ہوا اور اسے نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا اور اس (حکمران) نے اسے قتل کر دیا'' (حاکم)

تاہم ایک مسلمان کو یہ اجازت نہیں کہ وہ اسلامی عقیدے یا اس سے صادر ہونے والی کسی بات پر کسی ایسی رائے کا اظہار کرے جو اسلام سے متضاد ہو۔ چنانچہ اسے یہ اجازت نہیں کہ وہ عورتوں کی آزادی یا قوم پرستی، وطن پرستی اور علاقائیت یا پھر سرمایہ داریت اور سوشلزم جیسے کفریہ اصولوں یا دیگر اسلام کے متضاد تصورات کی دعوت دے۔ پس مسلمانوں کیلئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس آزادی رائے کو اپنائیں جس کی سرمایہ دار دعوت دیتے ہیں۔ ایک مسلمان کی ہر بات شرع کی پابند ہونی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من كان يومن بالله و اليوم الاخر فليقل خيرا او ليصمت))

''جو شخص اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ جب وہ بات کرے تو بھلائی کی بات

کرے یا پھر خاموش رہے'' (متفق علیہ)

وہ ''بھلائی'' جس کا اس حدیث میں ذکر کیا گیا، وہ اسلام ہے یا وہ جس کی اسلام اجازت دیتا ہے۔ اسلام مسلمانوں کو کسی ایسی چیز کی طرف رجحان رکھنے سے بھی منع کرتا ہے جو اسلام کے برعکس ہو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا یو من احد کم حتی یکون هواه تبعا لما جنت به))

''تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کو اس کے تبع نہ کر لے جو میں لے کر آیا ہوں'' (بیھقی)

ملکیت کی آزادی:

سرمایہ دارانہ سوچ کے مطابق ملکیت کی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ انسان یہ حق رکھتا ہے کہ وہ کسی بھی طریقے سے کسی بھی شئے کا مالک بن سکتا ہے اور اپنی ملکیت کے ساتھ جو چاہے کرسکتا ہے۔ واحد شرط یہ ہے کہ وہ دوسروں کے حقوق کی خلاف ورزی نہ کرے، اور ان حقوق کا تعین خود سرمایہ دار ہی کرتے ہیں۔ اس تعریف کے مطابق انسان کو کسی بھی چیز کا مالک بننے کا حق حاصل ہے، خواہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس کی اجازت دی ہے یا نہیں، اور وہ اپنی ملکیت کے ساتھ جو چاہے کرسکتا ہے، خواہ اس کا عمل اللہ سبحانہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

اس طرح کی آزادی کے مطابق کوئی بھی شخص تیل کے کنوؤں، معدنیات کی کانوں (جو نہ ختم ہونے والے پانی کی مانند ہیں) سمندر کے ساحلی علاقوں، دریاؤں اور عوام کے عام استعمال کے پانی وغیرہ کا مالک بن سکتا ہے۔ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان چیزوں کا بھی مالک بن سکتا ہے جن کی اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے، جیسا کہ گھر، باغ، دکان یا کارخانہ اور وہ ان چیزوں کو بھی اپنی ملکیت میں لے سکتا ہے جن سے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے منع کیا ہے، جیسا کہ شراب خانہ، سودی کاروبار والا بینک، سور پالنے کا باڑہ، قحبہ خانہ یا کوئی جوئے کا اڈا وغیرہ۔ علاوہ ازیں اس آزادی کے تحت انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہے تو وراثت، تحفوں، کاروبار، شکار، کھیتی باڑی

اور صنعت کاری جیسے حلال طریقوں سے بھی پیسے کمائے اور چاہے تو حرام طریقے استعمال کرے، جیسا کہ جوا، سود، شراب اور نشہ آور اشیاء کی تجارت یا ان جیسے دوسرے حرام طریقے۔

یہ صاف ظاہر ہے کہ ملکیت کی آزادی کا تصور اسلام کے برعکس ہے، چنانچہ مسلمانوں کے لیے اسے اختیار کرنا جائز نہیں۔ ملکیت کی آزادی کے تصور کو اپنانے کی وجہ سے سرمایہ دارانہ معاشرہ لاتعداد بیماریوں میں مبتلا ہے، بداخلاقی، منظّم جرائم، خود غرضی اور دوسروں کے استحصال کے بل بوتے پر اپنا فائدہ نکالنا ان معاشروں میں عام باتیں بن چکی ہیں۔ ان معاشروں میں جان لیوا بیماریاں، جرائم، معاشرتی نظام کی توڑ پھوڑ اور کئی معاشرتی مسائل عام ہو چکے ہیں اور یہ اس امر کا نتیجہ ہے کہ ان معاشروں میں ہر چیز کو فروغ دینے کی اجازت ہے، خواہ وہ لوگوں کے لئے فائدہ مند ہو یا نقصان دہ، جیسا کہ نشہ آور اشیاء کی مثال ہے۔

اس طرح کی آزادی کے نتیجے میں تمام دولت چند لوگوں کے ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے، جنہیں سرمایہ دار کہا جاتا ہے، جو اس دولت کی وجہ سے غالب طاقت بن جاتے ہیں، اور وہ معاشروں اور ریاستوں کی اندرونی اور بیرونی پالیسیوں پر حکمرانی کرتے ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام نے اپنا نام انہیں لوگوں سے اخذ کیا ہے (جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب سے اہم آزادی ہے)۔ ان میں سے چند سرمایہ دار جو اسلحے کے کارخانوں کے مالک بن گئے یا اسلحے کے تاجر بن گئے، انہوں نے اپنی ریاستوں یا اپنے اثر ورسوخ تلے دوسروں ریاستوں کو ایسی جنگیں شروع کرنے پر اکسایا جن سے ان کے عوام کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ان لوگوں کا سروکار صرف اس منافع سے ہے جو یہ لوگ اپنے کاروبار کی خاطر ہتھیار بیچ کر کماتے ہیں، یہ پرواہ کئے بغیر کہ اس کے نتیجے میں کیا سانحے پیش آسکتے ہیں اور ان میں کتنا خون بہے گا۔

شخصی آزادی:

چوتھی قسم کی آزادی جس کی سرمایہ دارانہ نظام دعوت دیتا ہے اور جسے حاصل کرنے اور تحفظ دینے کی کوشش کرتا ہے وہ شخصی آزادی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے مطابق ہر انسان کو یہ حق

ہے کہ وہ اپنی ذاتی زندگی جیسے چاہے گزارے، جب تک کہ وہ دوسرے لوگوں کی ذاتی زندگی پر دست درازی نہ کرے۔ اسے یہ حق ہے کہ وہ شادی کرے یا نکاح کے بغیر کسی عورت سے تعلق رکھے، اگر وہ عورت بھی اس بات پر راضی ہو۔ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ ہم جنس پرستی کا مرتکب ہو بشرطیکہ اس عمل میں کسی کم عمر کو شامل نہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ اسے یہ بھی حق ہے کہ وہ عوامی قوانین کی حدود میں رہتے ہوئے جو چاہے کھائے، پئے یا پہنے۔ ان سرمایہ داروں میں حلال یا حرام کے تصور کا کوئی وجود نہیں، جب تک کہ ایک شخص کا طرزِ عمل قانون کے مطابق ہے۔ اور سرمایہ دارانہ معاشروں میں ''قانون کے مطابق طرزِ عمل'' کی تعریف ایک معاشرے سے دوسرے معاشرے اور ایک دَور سے دوسرے دور میں مختلف ہوتی ہے۔

اس آزادی میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کے مطابق نظام مذہب سے جدا ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشروں میں اس آزادی کے اطلاق کے نتیجے میں شر اور فساد پھیل چکا ہے۔ مرد اور خواتین کسی جائز رشتے کے بغیر ہی ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں اور یہاں تک کہ مرد اور عورتیں ہم جنس ساتھی رکھتے ہیں اور آپس میں خلافِ فطرت تعلقات قائم کرتے ہیں، اور انہیں قانونی تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشروں میں جس ذاتی اور جنسی گمراہی کا غلبہ ہے وہ ذاتی آزادی ہی کا نتیجہ ہے، جس نے ناقابل یقین تنازعات کو جنم دیا ہے۔ فحش رسالے اور فلمیں، سیکس فون لائنز اور ننگے بار اس غیر فطری زندگی اور گمراہی کی چند مثالیں ہیں کہ جس پستی میں سرمایہ دارانہ معاشرے اس ذاتی آزادی کے نتیجے میں گر چکے ہیں۔

سرمایہ دارانہ معاشروں اور دیگر معاشروں کے مابین اس آزادی پر عمل کرنے کے لحاظ سے فرق ان معاشروں میں سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کے جنم لینے اور اس کے بتدریج پروان چڑھنے کی وجہ سے ہے۔

سرمایہ دارانہ معاشروں کا قیام جاگیردارانہ نظام کے ملبے اور چرچ کی رسوم و روایات اور ثقافت پر ہوا تھا۔ چونکہ ان رسوم و رواج کو راتوں رات بدلنا ناممکن تھا، اس لئے سرمایہ دار اس

امر پر منقسم تھے۔ ایک گروہ نے ان رسوم ورواج کو فوراً ترک کرنے پر زور دیا، جبکہ دوسرے گروہ نے اس بات پر زور دیا کہ اس وقت کے معاشروں کی حقیقت اور وہاں رائج رسموں اور ثقافتوں پر غور وفکر کرتے ہوئے ان پرانی رسموں کو بتدریج ختم کرنا چاہیئے۔ وہ لوگ جو آزادی پر فوراً عمل چاہتے تھے انہیں آزاد خیال (liberals) کہا گیا اور وہ جو آزادی کی راہ پر بتدریج چلنا چاہتے تھے انہیں قدامت پسند (conservatives) کہا گیا۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان میں ایک اور گروہ اُبھرا جنہیں اعتدال پسند (moderates) کہتے ہیں۔ یہ بیچ کا گروہ بھی تقسیم شدہ تھا۔ ان میں سے چند کا زیادہ رجحان قدامت پرستوں کی جانب تھا اور انہیں دائیں بازو والا (رائٹ وِنگ) کہا جاتا ہے، اور چند کا رجحان آزاد خیال لوگوں کی طرف تھا اور انہیں بائیں بازو والا (لیفٹ وِنگ) کہا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ معاشروں میں گروہوں کی یہ ترتیب آج بھی پائی جاتی ہے۔

ایک مسلمان کو یہ اجازت نہیں کہ وہ شخصی آزادی کو قبول کرے کیونکہ اس کے علاوہ کہ یہ بہت سی سماجی بیماریوں کا منبع ہے، یہ آزادی ان چیزوں کی اجازت دیتی ہے جن سے اللہ سبحانہ تعالیٰ نے منع کیا ہے۔ ذاتی آزادی کا مطلب ہے زنا، جنسی ارتداد، بداخلاقی، شراب پینے اور دوسری قباحتوں میں مبتلا ہونے کی آزادی۔

یہ ہیں وہ چار بنیادی آزادیاں، جن کی سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی دعوت دیتی ہے اور جن کو سرمایہ دارانہ ریاستیں نافذ کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ سرمایہ دار اپنی آئیڈیالوجی کے ساتھ ان آزادیوں کے تعلق کو بیان کرنے کے لیے اپنی آئیڈیالوجی کو ’فری آئیڈیالوجی‘ کے نام سے پکارتے ہیں۔ یہ آزادیاں انسانی حقوق کے اس تصور کی بنیاد ہیں جن کی امریکہ دعوت دیتا ہے۔ یہ اسلام کے برعکس ہیں، لہٰذا انہیں قبول کرنا یا ان کی دعوت دینا جائز نہیں۔ اس کے باوجود بہت سے لوگ انسانی حقوق کی دعوت دیتے ہیں جن میں مسلمانوں کے حکمران اور ان کے حامی شامل ہیں، اور ان کے ساتھ وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہیں مغربی ثقافت بہت لبھاتی ہے اور وہ لوگ بھی جنہیں مسلمانوں میں شامل کیا جاتا ہے لیکن وہ یا تو ناسمجھ ہیں، یا پھر فاسق یا کافر ہیں۔ ایسا شخص جو اسلام اور ’انسانی حقوق‘ کے مابین تضاد کو نہیں سمجھتا اور اس تصور کی دعوت دیتا ہے وہ فاجر ہے۔

تاہم ایک ایسا شخص جو انسانی حقوق پر یقین رکھتا ہے اور اسے اس بات کا ادراک ہے کہ انسانی حقوق کی بنیاد دین کی دنیاوی امور سے جدائی پر ہے، جو کہ ایک کفریہ عقیدہ ہے، اور وہ اس بنیاد پر لوگوں کو اس تصور کی دعوت دیتا ہے، تو ایسا شخص بلا شبہ کافر ہے کیونکہ اس نے اسلام کے عقیدے کو ترک کر دیا ہے۔

انسانی حقوق کی اس سیاق وسباق میں وکالت سب سے پہلے 1789ء میں فرانسیسی انقلاب کے وقت کی گئی تھی اور انہیں ایک دستاویز کے طور پر 1791ء کے جاری کردہ فرانسیسی آئین میں شامل کیا گیا تھا۔ اس سے پہلے 1776 میں امریکی انقلاب میں بھی ان آزادیوں کی بات کی گئی تھی اور یورپ کے باقی ممالک نے ان آزادیوں کو انیسویں صدی میں اپنایا تھا۔ تاہم انسانی حقوق ریاست کا اپنا اندرونی معاملہ رہا۔ دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے اور 1948ء میں اقوامِ متحدہ کے قیام کے بعد انسانی حقوق ایک عالمی قانون کے طور پر ابھرے، جب انسانی حقوق کا عالمی اعلان شائع کیا گیا۔ اس کے بعد 1961 میں اس میں ''انسانی معاشرتی اور سیاسی حقوق کے عالمی معاہدے'' کو بھی شامل کر لیا گیا۔ مزید برآں، 1966 میں "World Pledge for Economic, Educational and Social Human Rights" کو شائع کیا گیا۔ یہ تصورات صرف عالمی سطح تک محدود رہے۔ 1993ء میں ان تصورات کو ہمہ گیر بنانے کی کوششیں شروع کی گئیں۔ یعنی ایسا قانون جسے صرف ریاستیں ہی نہیں بلکہ لوگ بھی اپنائیں۔ سوشلزم کے ٹوٹنے اور دنیا میں سرمایہ داروں کے غلبے کے دو سال بعد ویانا میں انسانی حقوق کی غیر سرکاری تنظیموں کے لئے ایک کانفرنس منعقد کی گئی اور "Vienna Declaration for the Non-Governmental Organizations for Human Rights" کو شائع کیا گیا، جس نے انسانی حقوق کو ایک بین الاقوامی روایت سے بڑھا کر ایک آفاقی (یونیورسل) روایت بنا دیا جس کو اپنانا ریاستوں کے ساتھ ساتھ عام لوگ کے لئے بھی لازمی تھا۔ اس اعلان نے انسانی حقوق کے آفاقی ہونے اور مختلف تعلیمی اور قانونی سطحوں پر ان کے یکساں نفاذ کی ضرورت پر زور دیا جب کہ اس دعوے کو مسترد کر دیا کہ یہ حقوق ایک

معاشرے سے دوسرے میں مختلف ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلم علاقوں میں جب ''انسانی حقوق'' کا نفاذ کیا جائے تو اسلام کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جائے گا۔

ستّر کی دہائی کے آخر میں کارٹر کے دور میں امریکہ نے انسانی حقوق کو عالمی قانون بنانے پر زور دینے کے لئے اس تصور کو اپنی خارجہ پالیسی کے ایک ستون کے طور پر اپنا لیا۔ پس اس وقت سے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ ایک سالانہ رپورٹ شائع کرتا آ رہا ہے جس میں اس پہلو پر بات کی جاتی ہے کہ دنیا کی تمام ریاستیں کس حد تک ان حقوق کی تعمیل کر رہی ہیں اور ساتھ ہی ساتھ کس حد تک وہ اپنی عوام کو ان حقوق پر عمل کرنے کی اجازت دیتی ہیں۔

امریکہ نے ان ریاستوں کے خلاف ایک خاص رویہ اپنانے کی مہم شروع کر رکھی ہے جو ان حقوق کی پابندی نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر امریکہ نے سوویت یونین کو امریکی گندم بیچنے پر یہ شرط عائد کردی کہ وہ اپنے ملک کے یہودیوں کو اسرائیل ہجرت کرنے کی اجازت دے۔ اس کے علاوہ امریکہ نے 1994 میں ہیٹی (Haiti) میں عسکری مداخلت کیلئے انسانی حقوق کی خلاف ورزی کو بہانے کے طور پر استعمال کیا۔ امریکہ کی خارجہ پالیسی کی مانند ''انسانی حقوق'' کے متعلق امریکہ کی پالیسی بھی دنیا کی ریاستوں کی جانب ترجیحی ہے۔ وہ چند ریاستوں کی جانب سے ان حقوق کی خلاف ورزی کو اس صورت میں نظر انداز کر دیتا ہے اگر اس معاملے کو نہ اٹھانا امریکی مفادات کیلئے ضروری ہو۔ جبکہ چند ریاستوں کے معاملے میں وہ انہیں زبانی دھمکی دینے پر ہی اکتفاء کرتا ہے، جبکہ چند کے خلاف وہ عسکری اقدامات اٹھاتا ہے جیسا کہ ہیٹی کے معاملے میں، جبکہ کچھ ریاستوں کے معاملے میں امریکہ معاشی اور تجارتی اقدامات اٹھاتا ہے جیسا کہ چین کا معاملہ تھا، اور بعض کے متعلق وہ سیاسی اور سفارتی اقدام اٹھاتا ہے۔ یہ سب کچھ امریکی مفادات کے تحت اور چند ریاستوں کو زیر کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کی ضرورت کے تحت کیا جاتا ہے۔

مسلمانوں کی طرف سے ''انسانی حقوق'' کے تصور کو رَد کرنا اس لیے لازمی ہے کہ یہ تصور سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی اور اُس کے کرپٹ نظریے سے جنم لیتا ہے، اور یہ تصور ایک انسان اور

معاشرے کے متعلق اس آئیڈیالوجی کی سوچ کو ظاہر کرتا ہے۔ نیز یہ تصوران چار قسم کی آزادیوں کا اظہار ہے جنہیں سرمایہ دارانہ نظام نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس آئیڈیالوجی کا عقیدہ اور وہ تمام تصورات جو اس سے جنم لیتے ہیں یا اس آئیڈیالوجی پر استوار ہیں، وہ اسلام کے برعکس ہیں۔ مسلمانوں کو انہیں رد کرنا ہوگا اور انہیں غلط ثابت کرنا ہوگا اور ان کی وکالت کرنے والوں کو چیلنج کرنا ہوگا۔

(4) آزاد منڈیوں کی پالیسی

وہ چوتھا نعرہ جو امریکہ اور مغرب سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کو تمام انسانوں (بشمول مسلمانوں) کا طرزِ زندگی بنانے کی عالمگیر مہم میں استعمال کرتے ہیں وہ ہے" آزاد منڈیوں کی پالیسی"۔ آزاد تجارت کی یہ پالیسی 'ملکیت کی آزادی' کے عالمی اطلاق کی عکاسی کرتی ہے،اور یہ آزادی سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی کے عقیدے سے جنم لیتی ہے،یعنی یہ ریاستوں کے مابین تجارتی تعلقات میں ملکیت کی آزادی کو لاگو کرنا ہے۔ آزادئ تجارت کی پالیسی کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ پوری معیشت اور خاص طور پر تجارت میں حکومتی مداخلت کو کم یا بالکل ختم کیا جائے۔ امریکہ اس تعریف کے مطابق دنیا کے تمام ممالک پر یہ زور ڈالتا ہے کہ وہ تجارت اور درآمد و برآمد پر عائد پابندیاں ختم کریں، جو کہ عالمی تجارت کے راستے میں رکاوٹ ہیں،خواہ یہ پابندیاں کسی بھی قسم کی ہوں۔ آزاد منڈیوں یا تجارت کی پالیسی کے نام پر امریکہ جن دوسری پالیسیوں کو ختم کروانا چاہتا ہے ان میں تجارت کا براہِ راست تحفظ شامل ہے،جس کے تحت چند اشیاء کی درآمد پر پابندیاں لگائی جاتی ہے تاکہ اندرونی اشیاء کو مقابلے سے بچایا جاسکے اور ان پالیسیوں میں تجارتی تحفظ کی بالواسطہ پالیسیاں بھی شامل ہیں،جیسا کہ درآمدات کی چند اشیاء پر بھاری کسٹم ڈیوٹی عائد کردینا، اندرونی مصنوعات کے لیے سبسڈی فراہم کرنا یا تجارتی لین دین کے حجم کو محدود کرنا۔ تجارت کے متعلق اپنی پالیسیوں کو دوسری حکومتوں پر عائد کرواکے امریکہ پوری دنیا کو ایک" آزاد منڈی" میں تبدیل کردینا چاہتا ہے اور دوسرے ممالک کی منڈیوں کو بیرونی سرمایہ کاری کے لئے

کھولنا چاہتا ہے اور اس طرح ان ممالک پر زور دیتا ہے کہ وہ معیشت کے انتظام و انصرام کو کنٹرول کرنے کے عمل کو ترک کردیں۔ یعنی وہ ممالک پر زور دیتا ہے کہ وہ پبلک سیکٹر کی نجکاری کریں، خاص طور پر ان ممالک میں جہاں معیشت کا بڑا حصہ پبلک سیکٹر پر مشتمل ہے اور نجی سیکٹر کے ابھرنے اور اس کی نشو ونما کی راہ میں رکاوٹ ہے۔

اس ہدف کو حاصل کرنے کیلئے امریکہ نے دوسری سرمایہ دارانہ ریاستوں کے ساتھ مل کر عالمی تجارتی معاہدے کرنے اور معاشی اتحاد قائم کرنے کی نئی مہم شروع کی۔ ان معاہدوں کی چند مثالیں یہ ہیں: نیفٹا (NAFTA) کا معاہدہ، دِی کامن یورپین مارکیٹ، EPAC کا معاہدہ جو نیفٹا کے ممالک نیز آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، جاپان اور نام نہاد ''ایشین ٹائیگر'' اور انڈونیشیا، کہ جن سب کو بحرالکاہل تک رسائی حاصل ہے، کے درمیان طے پایا۔ سرمایہ دارانہ ممالک نے دنیا کے سات امیر ترین ممالک کے کلب 'گروپ آف سیون' (G-7) کو بھی مختلف عالمی معاشی، اقتصادی اور تجارتی فیصلوں کے نفاذ پر نظر رکھنے اور انہیں یقینی بنانے کیلئے ایک آلہ کار کے طور پر استعمال کیا۔ یہ فیصلے، خاص طور پر تجارت سے تعلق رکھنے والے فیصلے، جلد ہی عالمی قانون تصور کیے جانے لگے۔

1995 تک GATT کا معاہدہ (General agreement for tariffs and trade) عالمی تجارت کا ریفرنس پوائنٹ رہا۔ تقریباً تمام ممالک اس معاہدے کی پابندی کرتے ہیں، خواہ انہوں نے اس پر دستخط کئے ہوں یا نہیں، لیکن چونکہ یہ معاہدہ ممالک کے مابین تجارتی روابط ترتیب دینے تک محدود ہے اور چونکہ اس معاہدے کا اس عمل سے کوئی تعلق نہیں کہ یہ ممالک اپنی اندرونی معاشی اور تجارتی پالیسیوں کی کیسے نگرانی کرتی ہیں، اس لئے یہ معاہدہ امریکہ کے لیے اپنے اہداف حاصل کرنے کیلئے ناکافی تھا۔ چنانچہ امریکہ نے Organization of "World Trade" نامی ادارے کی صورت میں ایک دوسرے معاہدے کے آغاز کیلئے کام شروع کردیا۔ اس ادارے کے قیام کا اعلان 1995 میں دنیا کے بڑے تجارتی ممالک کی جانب سے مراکش میں کیا گیا۔ دنیا کی بیشتر ریاستیں امریکہ کے دباؤ کے نتیجے میں اس نئے معاہدے پر دستخط کردیں گی اور اس نئی تنظیم کا حصہ بن جائیں گی۔ اس نئے معاہدے کی امتیازی بات یہ ہے کہ

یہ معاہدہ امریکہ کی قیادت میں امیر اور طاقتور سرمایہ دارانہ ریاستوں کو، ان کے اپنے عائد کردہ نظاموں کے ذریعے، دوسری ممبر ریاستوں کے معاشی اور تجارتی امور میں مداخلت کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ امریکہ اور دوسری سرمایہ دارانہ ریاستوں کی جانب سے منڈیوں کے متعلق پالیسیوں کو عالمی رنگ دینے کا بڑا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے تمام ممالک کی منڈیوں کو ان کی بہتر درجے کی مصنوعات اور سرمایہ کاری کے لئے کھول دیا جائے۔ اس طرح کی پالیسی ترقی پذیر ممالک کو امیر قوموں کی معاشی اور تجارتی گرفت میں رکھے گی اور انہیں اپنی معیشت کو ایسی مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے سے روکے گی، جس کے ذریعے وہ امیر قوموں کی اس معاشی غلامی سے آزادی حاصل کر سکتے ہیں، جو انہیں امیر قوموں کی مصنوعات کیلئے منڈیاں بنا دیتی ہے۔ علاوہ ازیں، امیر قوموں کی گرفت تلے ترقی پذیر ممالک کبھی اپنی معیشتوں کو ایسی پیداواری معیشتوں میں تبدیل نہیں کر سکیں گے جو کہ بھاری صنعت پر انحصار کرتی ہوں، جس کے بغیر وہ کبھی ترقی حاصل نہیں کر سکیں گے۔

اس وجہ سے مسلمانوں کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ آزاد منڈیوں کی پالیسیوں کو قبول کریں، جن کی امریکہ اور عمومی طور پر مغرب وکالت کرتے ہیں۔ یہ پالیسیاں سرمایہ دارانہ آئیڈیالوجی میں موجود ملکیت کی آزادی کے تصور کا نفاذ ہیں، جو اسلام اور اس کے احکامات سے متضاد ہے۔ مزید برآں، اگر مسلم خطے ان پالیسیوں کی پیروی کرتے ہیں تو وہ کفار کو اپنی معیشتوں پر تسلط حاصل کرنے کے قابل بنا دیں گے اور یہ پالیسیاں کفر اور کفار کی گرفت سے نکلنے میں رکاوٹ بن جائیں گی، جو کہ ایک ایسا معاملہ ہے جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مسلمانوں پر حرام کیا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلاً﴾

''اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو مومنین پر ہرگز کوئی راستہ (اختیار یا غلبہ) نہیں دیا'' (النساء:141)

اگرچہ اسلام نے تجارت پر کسٹم ٹیکس کے نفاذ سے منع کیا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لا يدخل الجنة صاحب مكس))

''ٹیکس لینے والا جنت میں داخل نہ ہوگا'' (احمد)

اور اسلام نے ان تاجروں پر کسٹم ٹیکس نافذ کرنے سے بالکل منع کیا ہے جو اسلامی ریاست کے شہری ہیں، خواہ یہ تاجر اپنی اشیاء کہیں سے بھی لائے ہوں (کیونکہ اسلامی تجارتی پالیسی اشیاء کے ماخذ کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتی بلکہ تاجر کی شہریت کو دیکھتی ہے) اور اگرچہ اسلام تب تک دوسرے تاجروں پر کسٹم ڈیوٹی عائد کرنے کی اجازت نہیں دیتا، خواہ ان کی شہریت جو بھی ہو، جب تک دوسرے ممالک نے بھی اس طرح کے اقدامات نہ اٹھائے ہوں؛ لیکن یہ حقیقتیں کسی طرح سے بھی اس بات کا اشارہ نہیں ہیں کہ ''آزاد منڈیوں کی پالیسی'' کا سرمایہ دارانہ تصور اسلام سے مطابقت رکھتا ہے اور مسلمانوں کو اسے اپنانے کی اجازت ہے۔ اسلامی احکامات اور کسی دوسرے نظام کے کچھ احکامات کے چند پہلوؤں کی مشابہت کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمانوں کو اسلام کے علاوہ کسی دوسرے نظام سے احکامات لینے کی اجازت ہے۔ اس طرح کی مشابہت اس عمل کا جواز فراہم نہیں کرتی کہ چند مسلمان صرف اس لئے اسلام پر کفریہ اصطلاحات چسپاں کر دیں کہ اسلام اور دوسری آئیڈیالوجیز جن چیزوں کی دعوت دیتے ہیں ان میں کچھ باتیں بظاہر ایک جیسی ہیں مثلاً اسلام کو سوشلسٹ قرار دینا، جیسا کہ شاعر شوکی نے کیا، جب اس نے رسول اللہ ﷺ کے متعلق کہا کہ ''آپ سوشلسٹوں کے سردار ہیں'' (معاذ اللہ) یا پھر اسی طرح اسلام میں شوریٰ کے تصور کو جمہوریت سے منسلک کرنا۔ اسلام سے جو کچھ نکلتا ہے وہ اسلامی ہے، نہ کہ سوشلسٹ، جمہوری یا پھر کچھ اور۔ علاوہ ازیں، اسلام سوشلزم اور جمہوری سرمایہ داریت سے پہلے سے موجود ہے۔

چنانچہ مسلمانوں کے لئے منڈیوں کے متعلق ان پالیسیوں کو رد کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ اپنے ماخذ، اپنی بنیاد اور ان پالیسیوں کے نفاذ سے نکلنے والے خوفناک نتائج کی بنا پر اسلام سے متضاد ہیں، ان نتائج میں سے سب سے کمتر مسلم علاقوں کی معیشتوں کو سرمایہ دارانہ ممالک کی معیشت سے جوڑنا ہے۔ یہ عمل مسلمانوں کو اپنی معیشت کو ایک معنی خیز بنیاد پر کھڑا کرنے سے روکے گا اور کفار کو مسلمانوں اور ان کے علاقوں پر تسلط برقرار رکھنے کے قابل بنائے گا۔

حرفِ آخر

یہ وہ اہم نعرے ہیں جو امریکہ اور مغرب، دنیا کی اقوام اور لوگوں سے سرمایہ داریت کو قبول کرانے کی عالمی مہم میں استعمال کرتے ہیں۔ اس آئیڈیالوجی کے عقیدے کی خرابی کو سمجھنے، اس سے پھوٹنے والے نظاموں کی خرابی کو جاننے اور اس کے ستونوں (یعنی جمہوریت، تکثیریت، انسانی حقوق اور آزاد منڈیوں کی پالیسی) کو غلط ثابت کرنے کے بعد، اور ان کے نتائج کی اسلام سے وضاحت کرنے کے بعد، ایک مسلمان کے لئے اس آئیڈیالوجی کو قبول کرنا تو ایک طرف، اس میں سے کچھ اپنانے کے متعلق سوچنا بھی جائز نہیں۔ امریکی مہم بلاشبہ سب سے پہلے امتِ مسلمہ کو نشانہ اس لئے بناتی ہے کیونکہ صرف امتِ مسلمہ کے پاس ہی ایسی آئیڈیالوجی ہے جو سرمایہ داریت کو للکارنے اور اس کا مقابلہ کرنے کے قابل ہے۔ کفار امتِ مسلمہ کی تاریخ سے واقف ہیں، جو اس بات کی گواہ ہے کہ جب یہ امت اپنی آئیڈیالوجی کا اطلاق کرتی ہے اور اسے پوری انسانیت تک ایک پیغام کے طور پر لے کر جاتی ہے، تو یہ امت کیا کچھ حاصل کرسکتی ہے۔ اس حقیقت کا سب سے واضح ثبوت یہ ہے کہ امریکہ نے ایک طرف تو سرمایہ داریت کو ہمہ گیر بنانے کی مہم شروع کررکھی ہے تو دوسری طرف اس نے اسلام سے لڑنے کیلئے ایک اور مہم شروع کردی ہے، جس میں وہ اسلام کو تھامنے والوں پر دہشت گرد ہونے کا لیبل لگا دیتا ہے، یا مسلم علاقوں کے کرپٹ حکمرانوں پر زور ڈالتا ہے کہ وہ ان لوگوں پر ظلم کریں جو اسلام کی بنیاد پر امت کی احیا کے لئے دیانتداری سے کام کررہے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنے ایجنٹوں اور ان کے حواریوں کی مدد سے اسلام کے تصورات کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے۔

اس وجہ سے، مسلمانوں کو آج جس خطرے کا سامنا ہے وہ ان تمام خطرات سے بدتر ہے

جن سے انہیں اپنی پوری تاریخ میں گزرنا پڑا۔

صلیبی جنگوں کا مقصد مسلمان علاقوں کے کچھ حصوں پر قبضہ کرنا تھا۔ 1924 میں خلافت کے خاتمے، کا مقصد اس وجود کو تباہ کرنا تھا جو ان علاقوں کا کفار سے تحفظ کرتا تھا اور کفار کو ان علاقوں کے وسائل کو لوٹنے، انہیں مختلف حصوں میں بانٹنے اور ان پر کفریہ نظاموں کو نافذ کرنے سے روکتا تھا۔ تاہم وہ جنہوں نے صلیبی جنگیں لڑیں اور وہ لوگ بھی جنہوں نے خلافت کا خاتمہ کیا، ان لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات نہیں آئی کہ مسلمانوں کو ان کے عقیدے سے پھیر دیا جائے اور نہ ہی انہوں نے اس مقصد کے حصول کیلئے کوشش کی۔ چنانچہ جیسے ہی صلیبیوں نے قبضہ کیا، مسلمانوں کو جلد ہی ان کے عقیدے نے اپنی طرف واپس مائل کر لیا اور صلیبیوں سے لڑنے کے لئے وہ دوبارہ اس عقیدے کے پیچھے جمع ہو گئے اور آخر کار صلیبیوں کو واپس دھکیل دیا۔ اپنی خلافت کی تباہی کے بعد بھی مسلمان کچھ ہی دیر میں اپنے عقیدے کی طرف واپس لوٹنا شروع ہو گئے۔ مسلمانوں کے اندر زندگی نے جنم لینا شروع کر دیا اور انہوں نے اپنی خلافت کو قائم کرنے اور اپنے پیغام کو پھیلانے کا کام پھر سے شروع کر دیا۔ تاہم امریکہ کی موجودہ مہم نے اسلام کو تباہ کرنے کے مقصد کیلئے یہ طریقہ اپنایا ہے کہ مسلمانوں سے خود ہی ان کا عقیدہ رَد کروا دیا جائے، ان سے سیکولرازم کا وہ عقیدہ قبول کروالیا جائے جو دین سے دنیا کی جدائی کی دعوت دیتا ہے اور ان پر زور دیا جائے کہ وہ سرمایہ داریت کو اپنے لئے ایک نئے ''دین'' کے طور پر قبول کر لیں، جو کہ ان کی سوچ کی بنیاد ہو اور ان نظاموں کی بھی کہ جس کے تحت وہ زندگی بسر کریں۔ اس سب کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو مسلمانوں کی زندگیوں سے بالکل دور کر دیا جائے تاکہ اس میں مساجد کے اندر کی جانے والے عبادات اور رسومات کے علاوہ کچھ باقی نہ رہے۔

امریکہ جس چیز کا پرچار کر رہا ہے اور جس کو مغرب اور اس کے حواری فروغ دے رہے ہیں، اس کی اصلیت یہی ہے۔

اے مسلمانو! اس خطرناک منصوبے کے پیشِ نظر آپ کو بیدار ہونا ہوگا اور کفار اور ان کے پیروکار جو منصوبے بنا رہے ہیں ان کی حقیقت کو سمجھنا ہوگا۔ آپ کو آج اپنے عقیدے، اپنے

دین اور ایک امت کے طور پر اپنے وجود کے تحفظ کے لئے پکارا جا رہا ہے کیونکہ قومیں تب تک ہی زندہ رہتی ہیں جب تک ان کی آئیڈیالوجی موجود ہوتی ہے اور جب ان کی آئیڈیالوجی مٹ جائے تو وہ بھی مٹ جاتی ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ سچائی اور جھوٹ میں اسی طرح صاف اور واضح طور پر فرق کیا جائے جیسے زندگی اور موت میں فرق ہے۔ ایک طرف باطل کا رستہ ہے جس پر امریکہ، کافر مغرب اور آپ کے حکمران اور ان کے حامی و مددگار ہیں جن میں سیاست دان، مفکرین، ماہرِ اقتصادیات، میڈیا کے لوگ اور ایسے لوگ شامل ہیں کہ جن کی آنکھیں سرمایہ داریت سے چکا چوند ہوگئی ہیں اور وہ اُس کی طرزِ زندگی کے بہکاوے میں آ گئے ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ وہ لوگ شامل ہیں جو جمہوریت، تکثیریت، انسانی حقوق اور آزاد منڈیوں کی پالیسیوں کی آواز اُٹھاتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف حق کی راہ پر وہ لوگ ہیں جو اسلامی دعوت کے باشعور اور مخلص داعی ہیں اور ساتھ ساتھ مسلم امت کے وہ لوگ، جو اِن داعیوں کی پیروی کرتے ہیں، جو دین کو تھامے ہوئے ہیں۔

آپ کے مستقبل کا فیصلہ اسی جنگ سے ہوگا۔ اس جدوجہد کے بعد یا تو اس دنیا اور آخرت میں آپ کے لئے عزت ہوگی یا (اللہ سبحانہ تعالیٰ نہ کرے) اس دنیا اور آخرت دونوں میں آپ کے لئے تباہی اور رسوائی ہوگی۔ ہر اُس مسلمان پر حق کی خاطر کھڑے ہونا فرض ہے جو اللہ سبحانہ تعالیٰ اور اس کے نبی ﷺ پر اور اس دین پر یقین رکھتا ہے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ اس کے لیے کوئی اور آپشن نہیں ہے کیونکہ اس فیصلہ کن جنگ میں غیر جانبداری کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کو غارت ہونے کا خطرہ تب تک ڈراتا رہے گا جب تک آپ مویشیوں کے ایسے غلے کی مانند زندگی گزارتے رہیں گے کہ جس کا کوئی رکھوالا نہ ہو، وہ رکھوالا جو آپ کو تحفظ دے سکے اور مصائب و آلام سے بچا سکے۔ اسلام نے آپ کے لئے، آپ کے رکھوالے کے طور پر، ایک خلیفہ کی موجودگی کا حکم دیا ہے جسے آپ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق حکمرانی کی بیعت دیں۔ آپ ایک طویل عرصے سے ایک خلیفہ کے بغیر ہیں، جو کہ اللہ سبحانہ وتعالی کے نزدیک عظیم گناہوں میں سے ایک ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا:

((من مات و ليس فی عنقه بيعة مات ميتة جاهلية))

''اور جو کوئی بھی اس طرح مرا کہ اس کی گردن پر خلیفہ کی بیعت کا طوق موجود نہیں تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے'' (مسلم)

صرف خلیفہ ہی آپ کو برائی اور شر انگیزی کے خلاف لڑنے کے لئے ایک بار پھر متحد کر سکتا ہے۔ خلیفہ آپ کو وہ اصل شناخت واپس دلائے گا جو مسلمانوں کیلئے متعین کی گئی تھی، یعنی انسانیت کے لیے اٹھائی گئی بہترین امت۔

واقعی، اگر آپ اللہ سبحانہ وتعالی کے وفادار ہیں اور اپنی نیتوں میں مخلص ہیں تو آپ میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ آپ خود کو اس گناہ اور بدحالی سے نجات دلائیں، جس میں آپ رہ رہے ہیں۔ کفار اور ان کے مددگار، جو گمراہی کی دعوت دے رہے ہیں، اس حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے حکمران آپ میں خوف اور دہشت کی ایک فضا پھیلاتے ہیں تاکہ آپ حق کی آواز کو بلند کرنے کی ہمت نہ کرسکیں اور کفار کے کفر کے آگے جھکے رہیں۔

لیکن اللہ سبحانہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ اس کے علاوہ کسی سے مت ڈریں۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَلاَ تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾

''اگر تم مومن ہو تو اُن سے مت ڈرنا اور مجھ سے ہی ڈرتے رہنا۔'' (ال عمرٰن:175)

اگر آپ صرف اللہ سبحانہ تعالیٰ سے ہی ڈریں گے تو وہ آپ کو فتح یاب کرے گا، جیسا کہ اس نے وعدہ کیا ہے:

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْآ اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ﴾

''اے اہل ایمان اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کریگا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔'' (محمد:7)

اللہ سبحانہ تعالیٰ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا، سو آپ کے لئے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ آپ سرمایہ داریت کے کفر اور جمہوریت، تکثیریت، انسانی حقوق اور آزادانہ منڈیوں کی پالیسیوں کو رد کردیں، اور ان سب لوگوں کو چیلنج کریں جو اِن تصورات کو فروغ دیتے ہیں۔ آپ کی اللہ سبحانہ وتعالی کے لیے اطاعت گزاری تب تک مکمل نہ ہوگی جب تک آپ خلافت کے قیام کیلئے مخلص اور باشعور مسلمانوں کے ساتھ کام نہیں کریں گے، ،وہ خلافت کہ جو کفر، تقسیم، شر اور باطل کے خلاف امتِ مسلمہ کی ڈھال ہوگی۔

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾

”اے ایمان والو! اللہ اور رسول ﷺ کی پکار پر لبیک کہو، جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جس میں تمہارے لیے زندگی ہے“ (الانفال:24)